قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات)

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (المجادلة)

وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی

ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اصحابی کالنجوم

بأیہم اقتدیتم
اہتدیتم

خدّام اہلسنت کی دُعاء

از حضرت مولینا قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان

۲ محرم ۱۳۹۳ھ ——— ۶ فروری ۱۹۷۳ء

خدایا اہلِ سنت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص و صبر و ہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول اللہ کی سنت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروں کی صداقت کو
ابوبکرؓ و عمرؓ۔ عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواجؓ نبیؐ پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچمِ اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچمِ اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے حسن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبۂ کامل

ہو آئینی تحفظ[1] ملک میں ختمِ نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدّام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسولِ پاکؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے
تیری راہ میں ہر اک سنی مسلماں وقف ہو جائے

تیری توفیق سے ہم اہلِ سنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرِ ناداں
تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری غفراں

---

[1] الحمد للہ تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ منظور ہو چکا ہے اور آئین پاکستان میں قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریکِ خدّام اہلِ سُنّۃ والجماعۃ کا ترجمان

نظامِ خلافتِ راشدہ کا داعی

جلد : ۲، شمارہ : ۲، بدل اشتراک ، سالانہ ۵۰ روپے ، فی پرچہ : ۵ روپے

زیرِ سرپرستی

پیرِ طریقت، وکیلِ صحابہؓ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

بانی و امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان

فون : ۲۸۵۸ چکوال

●

مدیرِ مسئول

حکیم حافظ محمد طیب

فون : ۴۱۶۱۰۷ لاہور

●

صفر ۱۴۱۰ھ

ستمبر ۱۹۸۹ء

●

سالانہ بدلِ اشتراک برائے بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک رجسٹری

- ریاستہائے متحدہ امریکہ ـــ ۲۲۰/- روپے
- ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ ـــ ۱۸۰/- روپے
- سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت ـــ ۱۵۰/- روپے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۴۵۸

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ "حق چاریارؓ" مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور

ایڈیٹر و پبلشر حکیم حافظ محمد طیب نے مطبع افضل شریف پرنٹرز اردو بازار لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حق چاریار ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔ فون : ۴۱۶۱۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس شمارہ میں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اهدنا الصراط المستقیم

عاشورہ ـ چہلم ـ برسی

ماہنامہ "حق چار یارؓ" کے گزشتہ ماہ محرّم کے شمارے میں ہم نے قرآن و حدیث اور ائمہ اہلِ بیت کے ارشادات کے تحت یہ ثابت کیا ہے کہ ماتم مروّجہ ناجائز اور حرام ہے اور اس سلسلے میں ہم نے حوالجات بھی ماتمیوں کی مستند کتب سے پیش کیے تھے اور اس سے ہمارا مقصد محض تبلیغِ حق ہے تاکہ جو لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عقیدت و محبت کی وجہ سے ان افعالِ ماتم (منہ پیٹنا، سینہ کوٹنا اور زنجیر زنی وغیرہ) کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں وہ حقیقتِ حال سے مطلع ہو کر آئندہ کے لیے توبہ کر لیں لیکن اس دَور میں الحاد دہریت کا زور ہے۔ اخلاص و للّٰہیت کی کمی ہے۔ اتباعِ ہویٰ کا غلبہ ہے، اس لیے اتباعِ حق بہت ہی مشکل ہوجاتا ہے۔ بہرحال ہم نے بطور اتمام حجت اپنا شرعی فریضہ ادا کر دیا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اس سلسلے میں اہلِ حق کے جواب میں اہلِ ماتم کی طرف سے جو اعتراضات و استدلات پیش کیے جاتے ہیں ان کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے تاکہ مسئلہ کی پوری تنقیح ہوجائے۔

(۱) قرآن مجید میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کے متعلق فرمایا۔ وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ کَظِیۡمٌ (سورۃ یوسف رکوع ۱۰ آیت ۸۴) اس آیت کو بھی ماتمی لوگ ماتم کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت میں منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا کوئی ذکر تک نہیں ہے۔ یہاں تو لفظ حزن ہے جس کا معنی غم و اندوہ ہے۔ چنانچہ مولوی فرمان علی صاحب شیعہ مفسّر نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے: "اور (اس قدر روئے کہ) آنکھیں ان کی صدمہ سے سفید ہوگئیں۔ وہ بڑے رنج کے ضابط تھے۔" اور شیعہ مفسر مولوی امداد حسین کاظمی لکھتے ہیں: "اور غم و اندوہ کی وجہ سے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں پس

وہ غصہ کو بہت پینے والا تھا"۔ اور مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی لکھتے ہیں : "اور غم واندوہ سے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں۔ اس لیے کہ وہ رنج کو ضبط کرنے والے تھے"۔ اس آیت کے حاشیہ پر مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں : الخصال میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بڑے رونے والے پانچ ہوئے ہیں۔ از اں جملہ یعقوب علیہ السلام بھی ہیں۔ وہ یوسف علیہ السلام کے لیے اس قدر روئے کہ ان کی بصارت جاتی رہی اور ان سے یہ کہا گیا تاالله تفتوا تذکر یوسف (بیٹوں نے کہا بخدا آپ ہمیشہ یوسف ہی کی یاد میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ آپ بیمار ہو جائیں یا مرجائیں)۔

اسی آیت کے تحت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔ "اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑگئیں اور وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے"۔ اس کی تفسیر میں حضرت تھانوی رح لکھتے ہیں۔ کیونکہ زیادہ رونے سے سیاہی آنکھوں کی کم ہوجاتی ہے اور آنکھیں بے رونق یا بالکل بے نور ہو جاتی ہیں اور شدتِ غم کے ساتھ جب شدتِ ضبط ہوگا جیسا کہ صابرین کی شان ہے تو کظم کی کیفیت پیدا ہوگی"۔ اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب مفسر دہلوی لکھتے ہیں : اور سفید ہوگئیں آنکھیں ان کی یعنی یعقوب علیہ السلام کی غم سے۔ پس وہ غم سے بھرا ہوا تھا"۔ قرآن مجید کے لفظ حزن کا ترجمہ سُنی اور شیعہ مفسرین و مترجمین نے غم و اندوہ اور صدمہ ہی لکھا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ غم غیر اختیاری تھا اور یہ شدتِ غم کی وجہ سے آپ روتے بھی رہے اور یہ رونا بھی غیر اختیاری تھا اور یہ شدتِ غم بھی سالہا سال لاحق رہا جس کی وجہ سے آپ کی آنکھوں کا نور کم یا زائل ہوگیا اور لوگوں کے سامنے اس غم واندوہ کا کوئی اظہار نہیں کیا اور نہ ہی کسی قسم کی شکایت کی بلکہ آپ نے اس غم کا اظہار صرف اپنے رب کے پاس کیا اور دعا و زاری کرتے رہے۔ چنانچہ بیٹوں کے کہنے پر فرمایا۔ اِنَّمَا اشکو بثی وحزنی الی الله۔ اور فرمایا کہ میں اپنی پریشانی اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں"۔ (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی)۔ اس نے کہا کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں"۔ (ترجمہ: مولوی امداد حسین کاظمی)۔ یعقوب نے کہا (میں تم سے نہیں کہتا) میں تو اپنی بے قراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں۔ (ترجمہ مولوی فرمان علی) اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی لکھتے ہیں۔ کہا۔ سوائے اس کے نہیں کہ شکایت کرتا ہوں میں بے قراری اپنی کی اور غم اپنے کی طرف اللہ کے"۔

اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں۔" اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ غم و اندوہ بھی اس وقت تک رہا جب تک آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کا علم نہ تھا لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کا اقتدار اعلیٰ نصیب ہے اور ان کا کرتا آپ کی آنکھوں پہ لگایا گیا تو آپ کی بینائی بھی حاصل ہو گئی اور سالہا سال کا غم و اندوہ بھی زائل ہو گیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا (آیت ۹۶)۔ پھر یوسف کی خوشخبری دینے والا آیا اور ان کے کرتے کو ان کے چہرے پر ڈال دیا تو یعقوبؑ فوراً پھر دوبارہ آنکھ والے ہو گئے (ترجمہ مولوی فرمان علی) پھر جب بشارت دینے والا آیا اس نے اس (کرتہ) کو اس کے منہ پر ڈالا تو وہ بینا ہو گیا۔ (ترجمہ مولوی امداد حسین کاظمی)۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا اور اس کرتے کو یعقوب کے منہ پر ڈالا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) پس جب آیا خوشخبری لانے والا ڈال دیا اس کرتے کو اوپر منہ اس کے کے پس ہو گیا بینا۔ (ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ)۔ پس جب خوش خبری لانے والا آ پہنچا تو (آتے ہی) اس نے وہ کرتا ان کے منہ پر لا کر ڈال دیا۔ پس فوراً ہی اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

یہ جو ماتمی لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے رہے حالانکہ حضرت یوسفؑ زندہ تھے اسی طرح ہم حضرت امام حسین کی یاد میں روتے ہیں حالانکہ وہ بوجہ شہید ہونے کے زندہ ہیں تو پھر اہل سُنّت ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مابہ النزاع مسئلہ غم اور رونے کا نہیں بلکہ مروجہ ماتم کا ہے یعنی منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ۔ اور مذکورہ آیات سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا صرف غم کرنا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مُنہ پیٹنا اور سینہ کُوٹنا وغیرہ۔ دوم یہ کہ حضرت یعقوبؑ کا غم بھی اُسی وقت تک رہا جب تک کہ آپ کو حضرت یوسفؑ کی خیریت کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی اور جب بشارت دینے والے کے ذریعہ آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خیریت بلکہ اقتدار ملکی کی اطلاع ملی تو ملاقات سے پہلے ہی آپ کا سالہا سال کا غم (چنانچہ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جدائی اسّی سال رہی) زائل ہو گیا اور بینائی بھی حاصل ہو گئی۔ تو جب قرآن مجید میں شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل بشارتیں سنائی ہیں تو کیوں ماتمی

لوگ آہ وفغان سے آسمان سر پر اٹھاتے اور اپنے جسموں کو کوٹتے اور زخمی کرتے ہیں۔ خالق موت وحیات کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

- اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں۔ اپنے پروردگار کے ہاں سے (وہ طرح طرح کی) روزی پاتے ہیں اور خدا نے جو جو فضل وکرم ان پر کیا ہے اس (کی خوشی) سے پھولے نہیں سماتے اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان میں آکر شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت یہ (خیال کرکے) خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ بھی شہید ہوں تو ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ آزردہ خاطر ہوں گے خدا کی نعمت اور اس کے فضل وکرم اور اس بات کی خوشخبری پاکر کہ خدا مومنین کے ثواب کو برباد نہیں کرتا نہال ہو رہے ہیں۔ (ترجمہ: مولوی فرمان علی شیعی)
- اور جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں تم مُردہ مت سمجھو بلکہ زندہ ہیں (اور) اپنے پروردگار کی طرف سے رزق دیے جاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو لوگ (ابھی تک) ان کے پیچھے سے انہیں ملے نہیں ہیں وہ ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کسی قسم کا خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور مہربانی کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس بات کی بھی کہ اللہ تعالےٰ مؤمنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ترجمہ: مولوی امداد حسین کاظمی)
- اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز ہرگز مُردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے نہیں ملے ہیں ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف نہیں ہے اور نہ ہی وہ رنجیدہ ہوں گے۔ خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس کی کہ اللہ مومنوں کے کسی اجر کو ضائع نہیں کرتا۔" (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی)

مولوی مقبول احمد دہلوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ یہ آیت شہدائے بدر واحد کی شان میں نازل ہوئی اور اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو راہِ خدا میں قتل ہوا ہو جہاں جان طلبِ رضائے خداوندی میں دینی پڑتی ہے یا جہادِ اکبر میں قتل ہوا ہو جہاں ریاضت سے ہر خواہشِ نفسانی کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔"

اور اس آیت کی تفسیر میں مولوی امداد حسین کاظمی نے بھی تفسیر مجمع البیان کی یہ روایت درج کی ہے اور اس پر اتنا اضافہ کیا ہے کہ "تفسیر صافی ص۹۷ پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان الخ۔ اور اس آیت کا ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا حسبِ ذیل ہے:

اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ مت خیال کر۔ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ ہی وہ مغموم ہوں۔ وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضلِ خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے اجر ضائع نہیں فرماتے۔

سُنّی اور شیعہ تراجم میں مذکورہ زیرِ بحث آیت سے حسبِ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) شہید کو قتل ہونے کے بعد پھر حیات حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کو مُردہ نہیں سمجھنا چاہیے وہ زندہ ہیں (بل احیاء) البتہ ان کی یہ حیات چونکہ عالمِ برزخ میں ہے اس لیے ان مادی اور دنیوی حواس سے اس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا اور اس حیات کا تعلق اس بدن سے ہوتا ہے جو قتل کیا گیا ہے کیونکہ روح تو قتل نہیں کی جاتی اور موت و حیات کا اطلاق تو بدن پر ہی ہوتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ موت سے پہلے اس دنیا کی حیات میں جسم کے آثار ان مادی حواس سے محسوس ہوتے ہیں اور موت کے بعد جسم کے آثار مخفی ہو جاتے ہیں۔ ولکن لا تشعرون کا وہی مفہوم ہے اور بطور دلالۃ النص اس آیت سے انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر میں رُوح کے تعلق سے اس بدن اطہر میں حیات ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں تھا۔ اور شہداء کی حیات سے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات عالمِ برزخ میں اقویٰ ہے اور اس کا بھی ان مادی حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا۔ موت سے پہلے اس عالمِ شہادت میں حیاتِ نبوی کی کیفیت اور ہے اور عالمِ برزخ میں موت کے بعد حیاتِ نبوی کی کیفیت اور ہے

گو عالم شہادت اور عالم برزخ کی کیفیات جدا جدا ہیں لیکن حیات کا تعلق انہی ابدان سے ہے جو اس جہان میں تھے ۔ واللہ علی کل شیئ قدیر۔

(۲) شہداء کو موت کے بعد (جنت کا) رزق ملتا ہے۔

(۳) شہداء اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں۔

(۴) ان کو کسی قسم کا کوئی خوف اور حزن نہیں ہے اور وہ اپنے پیچھے رہنے والے اپنے بھائیوں کے متعلق بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح فی سبیل اللہ شہید ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے مشرف ہوں جو شہداء کے لیے مخصوص ہیں اور وہ بھی ان کی طرح خوف و حزن سے ہمیشہ کے لیے نجات پا جائیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں شہداء کے لیے جو بشارتیں دی ہیں اس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ ان کے وارثین اور متعلقین ان کے قتل ہونے کی ظاہری مصیبت کو ہی رنج و غم اور حزن و ملال باقی رکھنے کی بنیاد نہ سمجھتے رہیں بلکہ وہ ان کی شہادت کے بعد کی زندگی اور نعمتوں کا تصور کر کے رنج و غم کو دل سے نکال دیں کیونکہ حزن والم ایک وقتی طبعی تاثر ہے لیکن یہ مطلوب نہیں ہے۔ اسی لیے شہدائے احد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ (آل عمران آیت ۱۳۹)

- اور مسلمانو! کاہلی نہ کرو اور (اس اتفاقی شکست اُحد سے) کڑھو نہیں (کیونکہ اگر تم سچے مؤمن ہو تو تم ہی غالب (ترجمہ مولوی فرمان علی)
- اور اگر تم مؤمن ہو تو نہ سست ہو جاؤ اور نہ غم کھاؤ۔ (ترجمہ مولوی امداد حسین کاظمی)
- اور ہمت نہ ہارو اور رنجیدہ نہ ہو۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے۔ (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی)

اور پارہ ۱۴ سورۃ النحل کے آخری رکوع میں بھی فرمایا

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ۔ اور اے رسول صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہوگا مگر اللہ کی مدد سے اور ان (شہداء احد) کے متعلق رنج نہ کرو۔" (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) اور اس کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو اصحاب شہید ہو گئے ان پر اور جو بے ادبی بعد شہادت ان کے ساتھ کی گئی ہے اس پر رنج و غم نہ کھاؤ۔

قرآن حکیم کی ان آیات کے باوجود بھی اہل تشیع حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو صدیوں

بعد بھی جس طرف نہ صرف حزن واندوہ بلکہ ماتم مروجہ کی صورت میں مناتے ہیں یعنی منہ اور سینہ پیٹنا اور کوٹنا۔ زنجیر زنی اور بلیڈ زنی کے کرتب دکھانا اس کا دینِ حق کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا اور ان افعالِ محرمہ کو اعمالِ صالحہ میں کیونکر شمار کیا جا سکتا ہے لَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔

کیا امام حسینؓ ماتمی مجالس میں شریک ہوتے ہیں؟

شیعہ ادیب اعظم مولوی ظفر حسن امروہی بعنوان "ائمہ سے امداد طلبی" لکھتے ہیں:

" ہمارا عقیدہ ہے کہ جب ہم اپنے ائمہ علیہم السّلام کو اپنی مدد کے لیے بلاتے ہیں وہ ضرور آتے ہیں اور جب ان کے وسیلہ سے ہم دُعا کرتے ہیں تو وہ ضرور قبول ہوتی ہے بشرطیکہ مصلحت ایزدی کے خلاف نہ ہو۔ خدا فرماتا ہے۔ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پس ان سے بہتر وسیلہ اور کون ہے) ہمارا عقیدہ ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام زندہ ہیں۔ وہ ہر ایک عمل کو دیکھتے اور ہر پکارنے والے کی پکار سنتے ہیں"۔ (عقائد الشیعہ ص۱۰۱ عقیدہ نمبر ۴۴)

عزا داری

یہی شیعہ ادیب اعظم بعنوان عزاداری لکھتے ہیں:

عزاداری امام مظلوم حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام وشیعوں کی رگِ حیات ہے اور ان کے مذہب کی حقانیت کا بہترین ثبوت۔ وہ اپنی جان ومال وآبرو ہر شی عزاداری کو برقرار رکھنے کے لیے قربان کرنے کے لیے ہر زمانے میں تیار رہے ہیں اور بڑی قربانیاں دینے کے بعد انہوں نے اس کو قائم کیا ہے۔ وہ عزاداری سے متعلق ہر شئی کو مقدس ومتبرک جانتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ غم حسین میں جو بندہ مومن روئے یا رلائے یا رونے والوں کی سی صورت بنائے تو جنت اس پر واجب ہے"۔ (ایضاً عقائد الشیعہ ص۱۰۸)

تبصرہ

ادیب اعظم صاحب نے عزاداری کے متعلق اپنا عقیدہ واضح کر دیا ہے اور یہی ہر ماتمی شیعہ کا عقیدہ ہے اور آج کل عزاداری کا مظاہرہ نہ صرف رونے بلکہ مُنہ پیٹنے، سینہ کوٹنے، سنگلیاں مارنے وغیرہ افعالِ ماتم کے ذریعہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ شہدائے احد کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے حزن (رنج وغم) رکھنے سے بھی منع فرما دیا ہے جس کی وجہ سے ماتم مروجہ کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر طمانچے مارنے اور کالے کپڑے رنگنے سے منع فرما دیا۔ وقتِ وفات حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی افعالِ ماتم سے صراحتاً منع فرمایا اور خود حضرت

امام کربلا نے بھی اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو منہ پیٹنے اور نوحہ و واویلا کرنے سے منع فرما دیا پھر وہ کونسی شریعت ہے جس کے تحت ادیب اعظم (جو دنیا سے جا چکے ہیں) اور شیعہ ماتمی علماء عزاداری یعنی مروجہ ماتم کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۔

(۲) امام حسین رضؓ وغیرہ ائمہ کے متعلق جو ادیب اعظم نے یہ عقیدہ لکھا ہے کہ وہ "ہر ایک عمل کو دیکھتے اور ہر پکارنے والے کی آواز سنتے ہیں"۔ تو اس کا ان کے پاس ثبوت کیا ہے۔ ہر جگہ موجود ہونا اور ہر ہر بات ہر وقت سننا تو خالق کائنات کی صفات مختصہ میں سے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (اور وہ ہر ہر چیز کو جاننے والا ہے)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (اور وہ ہر ہر چیز پر گواہ ہے)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)

علاوہ ازیں فرمایا: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)۔ کیا امام حسین رضؓ اور دوسرے ائمہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں شریک ہیں۔ ہرگز نہیں۔

(۳) اگر بالفرض (معاذ اللہ) ایسا ہی ہے جیسا کہ اہل تشیع کا ائمہ کے متعلق عقیدہ ہے تو امام حسین ان ماتمی مجالس اور ماتمی جلوسوں میں بھی شریک ہوتے ہوں گے اور ہائے حسین ہائے حسین کی پکاریں سنتے ہوں گے۔ تو کیا وہ ان ماتمیوں سے خوش ہوتے ہوں گے یا ناراض ہوتے ہوں گے کہ یہ ماتمی لوگ بھی عجیب قوم ہیں۔ ہم شہداء کے غم میں اپنے آپ کو لہولہان کر رہے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعد والوں کو یہ بشارتیں دی ہیں کہ ان کو جنت کا رزق ملتا ہے اور وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے بہت خوش ہیں (فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ) بلکہ وہ تو یہ خواہش کرتے ہیں کہ ان کے پسماندگان بھی راہِ حق میں شہید ہوں اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے مسرور ہوں اور وہ بھی خوف و حزن سے نجات پا جائیں جس طرح ہم شہداء خوف و حزن سے بالکل نجات پا چکے ہیں۔ (اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔) ان حالات میں امام حسین رضؓ تو فرماتے ہوں گے کہ ہمارے ان ماتمیوں کو ہمارے شہید ہونے میں شک ہے یا وہ اس قرآن موجود پر ایمان نہیں رکھتے یا وہ ہماری ان خوشیوں اور بشارتوں سے خوش نہیں ہیں اور ہائے حسین کا واویلا کر کے ہماری شہادت کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ ان ماتمی ہنگامہ آرائیوں کے لیے (جن کا نام انہوں نے عزاداری

رکھا ہوا ہے ؟ جس کے لیے اہل تشیع بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ آخر اس کی شرعی بنیاد کیا ہے ؟ اس کی وجہ کیا یہ تو نہیں کہ اگر یہ ماتمی مجلسیں اور ماتمی جلوس نہ ہوں تو شیعوں کے پاس وہ کون سا امتیازی عمل صالح باقی رہ جاتا ہے جس کی وہ لوگوں کو دعوت دے سکیں۔ یہ تو وہ سیاسی ہوشیاری ہے جس کے متعلق خمینی نے واضح کر دیا ہے کہ،

علماء کا وظیفہ ہے کہ وہ اپنے باعظمت ہاتھوں سے سینہ زنی کریں۔ یہ ہاتھ جن سے سینہ زنی ہوتی ہے باعظمت ہاتھ ہیں۔ البتہ شرعی حدود کی پابندی ہونی چاہیئے مگر عوام اپنا ہاتھ بند نہ رکھیں۔ ان ہاتھوں سے سینہ زنی کریں اور اپنے اجتماعات برقرار رکھیں۔ انہیں اجتماعات کی بدولت آج ہم صفحۂ ہستی پر موجود ہیں ـــــ شاید یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف ایک گریہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہمارا یہ گریہ سیاسی، اجتماعی اور نفسیاتی مسئلہ ہے ـــــ عاشورہ کے دن جو ہمارے جلوس نکلتے ہیں ان کے بارے میں یہ خیال نہ کریں کہ اس کو ہم لانگ مارچ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ جلوس مارچ ہیں جو سیاسی تقاضوں کے مطابق ہیں ـــــ سید الشہداء کی مصیبت کے بارے میں جو ہم آہنگی ہم میں پائی جاتی ہے یہ دنیا میں سب سے بڑی سیاسی طاقت ہے اور دنیا میں نہایت ہی اہم ترین نفسیاتی قوت ہے۔ اس سے تمام مؤمنین کے قلوب باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے اور ہمارے نوجوانوں کو اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔" (اقتباسات خطبہ محرم۔ شائع کردہ ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم تا ۸ جنوری ۱۹۸۰ء)۔ خمینی کا یہ خطبہ محرم ماہنامہ "حق چار یار رضؓ" ماہ محرم میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

ہمارا سوال

خمینی صاحب نے مجالس و جلوس ماتم کا فلسفہ واضح کر دیا ہے اور اس امر کا اقرار کر لیا ہے کہ " انہی اجتماعات کی بدولت آج ہم صفحۂ ہستی پر موجود ہیں۔" یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ بالفرض اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید نہ ہوتے تو پھر شیعہ مذہب اور اس کے اپنانے والوں کا وجود عالم اسباب میں کیونکر قائم رہ سکتا تھا اور سانحہ کربلا سے پہلے شیعہ مذہب کی اصلی صورت کیا تھی جس کی طرف ان کے ائمہ بلا خوف لومۃ لائم لوگوں کو دعوت دیا کرتے تھے۔ ۲۔ اس قسم کے سوالات کا کوئی صحیح جواب نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ ان کی ایک حدیث سے یہ معمہ کسی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں ہے۔ عن سلیمان بن خالد قال قال

ابوعبداللہ علیہ السلام یاسلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزاللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ ۔ فرمایا ابو عبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے سلیمان تم اس دین پر ہو کہ جس نے چھپایا خدا نے اسے عزت دی اور جس نے ظاہر کیا اللہ نے اسے ذلیل کیا۔" (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد دم ص۲۲۵ مترجم شیعہ ادیب اعظم مرزا ظفر حسن امروہی، ناشر ظفر شمیم بک ڈپو ناظم آباد ۵ کراچی) جب امام جعفر صادق کے ارشاد کے تحت شیعہ دین کے چھپانے میں عزت اور ظاہر کرنے میں ذلت نصیب ہوتی ہے تو کیا ماتمی لوگ اس حدیث پر عمل کر کے ائمہ کے اصلی دین کو تو چھپاتے ہیں اور ان کے ارشادات کے خلاف ماتمی مظاہرہ کر کے سیاسی قوت و عزت حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔

چہلم کے ماتمی جلوس

چونکہ شیعوں کا مقصد امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عنوان پر ماتمی جلوسوں کے ذریعے ملک بھر میں اپنی منظم سیاسی قوت کا پھیلاؤ ہے اس لیے اب وہ صرف محرم کے جلوسوں پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ماہ صفر میں وہ چہلم کی تقریبات کی آڑ میں وہ ماتمی جلوس نکالتے ہیں اور جہاں کبھی بھی ماتمی جلوس نہیں نکالا وہاں بھی ماتمی جلوس نکالنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اب تو سال بھر میں کسی نہ کسی ماتمی جلوس کا پروگرام بناتے رہتے ہیں اور محرم ہو یا چہلم یہی ماتمی جلوس سُنّی شیعہ کے تصادم کا سبب بنتے ہیں۔ اس دفعہ محرم میں بھی کئی مقامات پر شیعوں کی زیادتی اور لاقانونیت کی وجہ سے سنی شیعہ تصادم ہو چکے ہیں۔

چکوال کا ماتمی جلوس

مدنی جامع مسجد میں چکوال کی تنگ گلی میں سے سال میں دو مرتبہ یعنی ۱۰ محرم اور ۱۷ صفر کو شیعوں کا ماتمی جلوس گزرتا ہے۔ اس دفعہ بھی ۱۰ محرم کے موقعہ پر چکوال میں فوج بلائی گئی تھی اور فوج کی نگرانی میں پولیس فورس کے ذریعہ مدنی جامع مسجد کی گلی میں سے ماتمی جلوس گزارا گیا۔ ہم فوج کی مزاحمت نہیں کرتے اس لیے ہم نے احتجاجاً ماتمی جلوس سے پہلے مدنی مسجد کو خالی کر کے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اب پولیس اور فوج کی ذمہ داری ہے کہ وہ مدنی جامع مسجد کی گلی سے ماتمی جلوس کو خاموشی سے گزاریں لیکن پولیس اور فوج نے ہمارے احتجاج اور مطالبے کو کوئی اہمیت نہیں دی اور شیعہ جلوس حسبِ سابق ہائے حسین ہائے حسین اور سینہ کوبی کرتے ہوئے گزر گیا۔ بہرحال اس موقع پر سنی جوانوں کا صبر و ضبط نہایت قابلِ قدر رہے کہ ماتمی جلوس کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے باوجود اجتماع عظیم اور ایمانی جذبات کے جماعتی پروگرام پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ سنی مسلمان حتی الامکان ملک میں امن قائم

کرنا چاہتا ہے لیکن ماتمی ٹولہ ملکی سلامتی کی کوئی پروا نہیں کرتا اور وہ مذہب کے نام پر اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے آگے ہی بڑھنا چاہتا ہے۔

ضلع چکوال کے ماتمی جلوس

ضلع چکوال میں ماتمی جلوسوں کی تعداد حسبِ ذیل ہے
ا۔ تحصیل چکوال کے لائسنس ماتمی جلوس ۴۲ اور تحصیل تلہ گنگ کے ماتمی جلوس ۲۳ ہیں۔ ان کے علاوہ جو ماتمی جلوس نکلتے ہیں وہ صرف روایتی ہیں جن کا کوئی باضابطہ لائسنس نہیں ہے۔ تفصیل حسبِ ذیل ہے:

تحصیل چکوال میں روایتی سمیت کل ماتمی جلوس	۱۱۷
تحصیل تلہ گنگ " " " "	۴۴
ضلع چکوال میں کل ماتمی جلوس	۱۶۱

یہ ماتمی جلوس پولیس فورس کی نگرانی میں نکلتے ہیں۔
جلوس کے موقعہ پر پبلک کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ عدالتی کام معطل ہو جاتے ہیں۔ انتظامیہ کے لیے یہ دن مصیبت کے ہوتے ہیں۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کہیں تصادم نہ ہو جائے اور پھر شہر چکوال میں تو دو مرتبہ فوج آچکی ہے اور معلوم ہوا ہے کہ مدنی جامع مسجد کی گلی سے گزرنے والے ۷، اصغر کے چہلم کے جلوس کے لیے بھی فوج آئے گی۔ یہ اتنے مصارف، انتظامات، ضیاع اوقات، خطرات محض اس لیے ہیں کہ اہلِ تشیع کے مروجہ ماتمی جلوس اپنی پوری ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ پُرامن گزر جائیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
ان ماتمی جلوسوں میں گھوڑا اور تعزیہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ گھوڑے کو پہلے ماتمی لوگ 'دُلدل' کہتے تھے۔ لیکن 'دُلدل' چونکہ اس خچر کا نام ہے جو مقوقس شاہ مصر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں دی تھی اس لیے دلدل کے بجائے اس کو ذوالجناح کا نام دیا گیا ہے۔ تعزیہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقبرہ کی شبیہ کا نام ہے۔ ماتمی لوگ ذوالجناح اور تعزیہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور یہ ذوالجناح (گھوڑا) بھی ان کے نزدیک بڑا مقدس ہوتا ہے۔ کیا یہ گھوڑا حضرت حسین کا ہے۔ یہ تعزیہ حضرت حسین کی قبر ہے۔ یہ چیزیں قابلِ تعظیم کیسے بن گئیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر جہاں اولیاء اللہ کی طرف منسوب بتوں اور مجسموں کو پاش پاش کروا دیا تھا وہاں بیت اللہ سے حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل اور حضرت عیسٰی علیہم السلام کی تصاویر اور مجسموں کو بھی مٹا دیا تھا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں؛

"مجسمات اور تصویریں برباد کردی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصویر بھی تھی"۔ (سیرت النبی جلد اوّل بحوالہ فتح الباری)

امام قسطلانی محدث متوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں :-

"آپ نے ان بتوں کے واسطے امر کیا۔ وہ بیت اللہ سے نکالے گئے۔ آدمیوں نے ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی مورتیں نکالیں۔ ان دونوں حضرات کی مورتوں کے ہاتھوں میں وہ تیر تھے جن سے کفارِ قریش اپنے امور میں حکم چاہتے تھے"۔ (ترجمہ مواہب لدنیہ ج اوّل ص۳۵۰)

اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

"حضورؐ طویل وقفہ تک اندر رہے اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں دعا و تضرع فرماتے رہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور نکلتے وقت حضرت عمرؓ بن خطاب کو حکم دیا کہ انبیاء اور فرشتوں کی تصویروں کو جنہیں کفار نے دیوارہائے کعبہ میں منقش کر رکھا ہے مٹا دو۔ پھر انہوں نے تمام تصویروں کو مٹا دیا مگر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اس تصویر کو باقی رکھا جس میں دونوں تیر و قمار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ انہیں بھی مٹا دو۔ یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز قمار (جوا) نہیں کھیلا کرتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے ایک ڈول پانی کا طلب فرمایا اور ان دونوں تصویروں کو بھی دھو دیا"۔ (ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۴۸۹)

جب حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ اور حضرت عیسٰی کلمۃ اللہ کی تصاویر اور مجسموں کو مٹا دیا تو پھر آج کل کے ذوالجناح (گھوڑے) شبیہہ قبر حسین وغیرہ کے متعلق شرعاً کون سی صورت جواز کی نکل سکتی ہے کہ اسلام کے نام لیوا ان کی تعظیم کریں۔ ان پر چڑھاوے چڑھائیں اور ان کے تقدس کی خاطر ماتمی جلوس نکالتے رہیں؟ لَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ تصویر یا شبیہہ جو غیر جاندار چیز کی بنائی جاتی ہے اس کی چونکہ تعظیم کی جاتی ہے، اس کو ذریعہ قربِ الٰہی تصور کیا جاتا ہے، اس پر نذر و منت مانی جاتی ہے اور اس کے ساتھ تقدس کا وہ معاملہ کیا جاتا ہے جو عبادت میں شمار ہوتا ہے اس لیے یہ ناجائز بلکہ شرک کی حد تک پہنچتا ہے اس لیے اس کے جواز کی وہ گنجائش نہیں ہے اور گھوڑا تو اللہ تعالٰی نے سواری کے لیے پیدا کیا ہے لیکن ماتمی لوگ اس ذوالجناح پر سوار ہونے کو بے ادبی سمجھتے ہیں اور سارے ماتمی جلوس کا مرکزی کردار یہی گھوڑا ہوتا ہے۔ انسان اور ایک گھوڑے

کے سامنے باادب عاجزانہ صورت میں پیش ہوتا ہے یہ کیسا اسلام ہے اور اس کو کردار حسین کے ساتھ کیا نسبت ہے؟

لکھنؤ اور ملتان کے تعزیے روزنامہ امروز لاہور کی ہفت روزہ اشاعت ۱۱ اگست ۱۹۸۹ء میں بعنوان "تعزیہ داری کے لحاظ سے دوسرا لکھنؤ" ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کے بعض اقتباسات حسب ذیل ہیں :

(۱) ملتان ایک شہر ہی نہیں صدیوں پر محیط تاریخی ورثے کا نام بھی ہے جس کی اپنی روایتیں ہیں اور جس کی زمین سے تہذیب دفن کے لازوال موتی نکلتے رہتے ہیں۔ ملتان کی اپنی روایتوں میں سے ایک روایت تعزیہ داری بھی ہے۔ برصغیر میں عزاداری اور تعزیے نکالنے کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ دو ڈھائی سو سال پہلے اس کا آغاز لکھنؤ سے ہوا اور عزاداری کے حوالے سے لکھنؤ آج بھی اپنی علیحدہ شناخت رکھتا ہے۔ اُردو کی مقبول صنف مرثیے کا آغاز بھی لکھنؤ سے ہوا۔ ماتمی جلوسوں کے ساتھ مرثیہ پڑھنے والے حضرات ہوتے تھے۔ ان مرثیوں میں امام حسین رضؓ اور اہل بیت کی شہادت کے واقعات کو انتہائی پرسوز انداز سے بیان کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ روایت مستحکم ہوتی گئی اور بعد میں میرانیس و مرزا دبیر جیسے باکمال شعرائے نے مرثیے کی صنف کو بام عروج تک پہنچا دیا۔ برصغیر میں سب سے پہلے تعزیہ، عَلم اور ذوالجناح نکالنے کی روایت کا آغاز بھی لکھنؤ سے ہوا اور جلد ہی یہ سلسلہ پورے برصغیر پاک وہند میں پھیل گیا۔ لکھنؤ کے بعد ملتان ایک ایسا شہر ہے جہاں اس روایت کی پہلے پہل داغ بیل پڑی۔ عزاداری کا سلسلہ تو ان علاقوں میں پہلے ہی سے موجود تھا تاہم باقاعدہ تعزیہ داری کا آغاز اب سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ہوا جسے کچھ عرصے بعد انگریزوں نے ۱۸۸۵ء میں باقاعدہ لائسنس دیے اور تعزیوں کے راستے بھی مقرر کیے گئے۔ ملتان میں تعزیہ داری کی ابتدا امیر تیمور کے زمانے میں ہوئی۔ ملتان کے ایک نواحی قصبہ تلمبہ سے بانسوں اور کھجور کی چھڑیوں کو جوڑ کر محرابی شکل کے تعزیے بنا کر نکالے گئے۔ ملتان کے مشہور مؤرخ منشی عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب "آئینہ ملتان" صفحہ ۳۰۸ پر ملتان میں تعزیہ داری کے متعلق لکھا ہے کہ ملتان شہر میں تعزیہ نکالنے کا آغاز پٹھان بادشاہوں کے دَورِ اقتدار میں ہوا۔ لیکن اس زمانے میں تعزیے کے جلوس نہیں نکالے جاتے تھے۔ تعزیہ زیارت کے لیے صرف ایک جگہ رکھ دیا جاتا تھا۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ دیوان ساون مل کے زمانے میں تعزیے منظرِ عام پر آنے لگے۔ یہ تعزیے عارضی ہوتے تھے اور انہیں دسویں محرم کے دن جلوس کے اختتام پر دفن کر دیا جاتا تھا۔ شروع شروع میں ہندوؤں کو ان تعزیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ

خود ان پہ آکے منتیں مانتے اور چڑھاوے دیتے تھے۔ لیکن جب انگریزوں نے برصغیر میں " لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی پر عمل کیا تو دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تعزیہ داری کے حوالے سے بھی نفرتیں پیدا کیں اور فسادات کرائے جن کی وجہ سے عزاداری اور تعزیہ کے جلوس شہر میں آزادانہ نکلنے کے بجائے ان راستوں تک محدود کر دیے گئے جن کا ذکر ہر تعزیے کے لائسنس میں ہوتا تھا۔ ابتدا میں صرف شیعہ حضرات ملتان میں تعزیے نکالتے تھے لیکن جب ہندوؤں نے تعزیہ داری کی مخالفت شروع کر دی تو سُنی حضرات نے بھی تعزیے نکالنے شروع کر دیے۔

(۲) ملتان میں ہر محرم پر تقریباً دو سو جلوس نکلتے ہیں جن میں علم، ذوالجناح اور تعزیوں کے جلوس شامل ہیں۔ تعزیوں کی یہ بھاری تعداد ہی ملتان کے محرم کی وجہ امتیاز نہیں بلکہ اصل چیز جس کی وجہ سے ملتان میں ہر سال محرم کے موقع پر ملک اور بیرونِ ملک سے سینکڑوں لوگ یہاں آتے ہیں وہ استاد اور شاگرد کے منفرد اور بے مثال تعزیے ہیں۔ یہ دونوں تعزیے سُنی حضرات کے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ دنیا بھر میں ان کے طرز کا کوئی اور تعزیہ نہیں ہے۔ ان دونوں تعزیوں کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ تقریباً پچھلے ایک سو سال سے یہ تعزیے باقاعدگی سے نکل رہے ہیں۔ استاد کا تعزیہ وہی ہے جو ایک سو پندرہ سال پہلے بنایا گیا تھا جبکہ شاگرد کا تعزیہ ۱۹۴۱ء میں دوبارہ بنایا گیا کیونکہ پہلا تعزیہ آگ لگنے کی وجہ سے ختم ہو گیا تھا۔ شاگرد کے تعزیے کو سید عبدالجلیل شاہ نے دوبارہ بنوایا اور اس کا ڈیزائن وہی رکھا جو پہلے تھا۔ استاد اور شاگرد کے تعزیے کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے استاد کے تعزیے کے موجودہ لائسنسدار محمد اسلم نے بتایا کہ استاد کا تعزیہ چنیوٹ کے ایک کاریگر استاد نور محمد نے بنایا تھا جبکہ شاگرد کا تعزیہ نور محمد کے شاگرد الٰہی بخش نے بنایا تھا۔ اس لیے دونوں تعزیوں کا نام اس حوالے سے پڑ گیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ چنیوٹ کو تعزیہ سازی میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ شاگرد کا تعزیہ حجم اور اونچائی میں استاد کے تعزیے سے بڑا ہے۔ اس کے علاوہ وزن کے لحاظ سے بھی شاگرد کے تعزیے کو برتری حاصل ہے۔ استاد کے تعزیے کا وزن ننانوے من ہے جبکہ شاگرد کے تعزیے کا وزن ایک سو پندرہ من ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاگرد کے تعزیے میں لوہا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اگر خوبصورتی کے لحاظ سے دونوں تعزیوں کا موازنہ کیا جائے تو استاد کا تعزیہ زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے۔ اس پر جو کام کیا گیا ہے وہ انتہائی نفیس اور جاذبِ نظر ہے۔

محمد اسلم نے مزید بتایا کہ اس تعزیے کو بنانے میں استاد نور محمد کے چار سال صرف ہوئے تھے۔ شاگرد کے تعزیے کی اونچائی چوبیس فٹ اور استاد کے تعزیے کی اونچائی بائیس فٹ ہے۔ شاگرد کے تعزیے کے موجودہ لائسنسدار غلام شبیر نے بتایا کہ دسویں محرم کو تعزیہ اٹھانے کے لیے بیک وقت سو سو آدمی درکار ہوتے ہیں جبکہ تقریباً بارہ بانس اس مقصد کے لیے تعزیے کے چاروں طرف لگائے جاتے ہیں۔ تقریباً اتنے ہی آدمی استاد کا تعزیہ بھی اٹھاتے ہیں۔ یہاں یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ دسویں محرم کے بعد ان تعزیوں کو کھول کر ٹکڑوں کی صورت میں رکھ دیا جاتا ہے اور اگلے محرم تک انہیں مقفل رکھا جاتا ہے۔ غلام شبیر اور محمد اسلم نے بتایا کہ تقریباً دس ہزار روپے فی تعزیہ ہر سال رنگ و روغن اور مرمت پر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہ سب کچھ آلِ نبیؐ سے اپنی محبت اور عقیدت کے اظہار کے طور پر کرتے ہیں۔

ملتان میں تعزیوں کے علاوہ کشتی نما بیڑے بھی نکالے جاتے ہیں۔ ان بیڑوں کو کشتیٔ نوحؑ سے تشبیہ دی جاتی ہے الخ۔

تبصرہ اس مضمون میں لکھنؤ اور پھر ملتان کے عظیم الشان تعزیوں کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ سازی بھی ایک فن بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ استاد کا تعزیہ ۲۲ فٹ اونچا تھا تو شاگرد کا تعزیہ ۲۴ فٹ اونچا بنایا گیا۔ اور پھر سو سو آدمی ان تعزیوں کو اُٹھاتے تھے۔ اتنی وزنی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی اصلی قبر بھی نہیں ہوگی جتنی کہ اس کی شبیہیں وزنی ہیں۔ بابل میں ایک لعل نامی بُت تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے) وہ سب سونے کا تھا اور اس کی اونچائی چالیس فٹ تھی۔ بات تو سرمائے کی ہے جتنا کوئی لگا سکے۔ تو یہ تعزیہ نہ ہوا پوری بلڈنگ بن گئی۔ پھر ہر سال ان کی مرمت پر دس ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ پہلے جب تعزیے کم قیمت کے ہوتے تھے تو ان کو دفن کر دیتے تھے۔ اب ان پر سرمایہ زیادہ لگایا جاتا ہے۔ اس کے بجائے دفن اور ضائع کرنے کے ان کو اسی طرح محفوظ کر دیتے ہیں اور اگر بہت بڑا ہو تو اکھاڑ کر مقفل کر دیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ تعزیہ ہے کیا چیز؟ اس کا دین و شریعت سے کیا تعلق ہے۔

(۲) تعزیہ صرف غیر جاندار چیز کی تصویر نہیں بلکہ یہ ایک شبیہ اور مجسمہ ہے جس کے ساتھ ماتمی لوگ وہی معاملہ کرتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے گھڑے ہوئے مجسموں سے کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد اور اپنی بُت پرست قوم سے فرمایا۔ اذ قال لابیہ وقومہ ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون (سورۃ الانبیاء رکوع ۵۔ آیت ۵۲) (وہ وقت یاد کرو) جبکہ اس نے اپنے چچا اور اپنی قوم

سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو"۔ (ترجمہ مولوی امداد حسین کاظمی) اس کی تفسیر میں کاظمی صاحب لکھتے ہیں۔ (عاکفون) اس کے معنی ہیں معتکف ۔ اعتکاف کرنے والے مجاور ۔ گرد جمع ہونے والے) (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ انہوں نے اپنے چچا سے اور اپنی قوم سے یہ کہا تھا کہ یہ مورتیں کیا چیز ہیں جن کی تم تعظیم کرتے ہو" (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی)۔ آزر اور ساری قوم مختلف شکلوں میں شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے۔ مورتیوں کے ارد گرد بیٹھ جاتے، ان کی منتیں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اسی طرح ماتمی لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی شبیہ کے اردگرد بیٹھ کر روتے رہتے ہیں۔ اس پر منتیں اور چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ اس کے تقدس کے قائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ملتان کے ہندو بھی ان شبیہوں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے (جیسا کہ زیرِ بحث مضمون میں اس کی تصریح ہے)۔

(۴) انگریز نے لائسنس جاری کرکے ماتمی جلوسوں کو تحفظ دیا ہے اور یہ اس کی ایک سیاسی چال تھی تاکہ اس طریق سے سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کے خلاف ایک شیعی قوت میدانِ عمل میں آجائے اور اگر کہیں کوئی سنی تعزیہ نکالتے ہیں تو یہ اُن کی اپنے مذہب سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ ایسے لوگ شیعی نظریات سے متاثر ہوتے ہیں اور یہ بھی قوی احتمال ہے کہ ملتان میں یہ بڑے بڑے تعزیے نکالنے والے اگر اہلسنت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو یہ اُن کا تقیہ ہو تاکہ عام بے عمل سنی نوجوان بھی اس طریق سے بطور تماشائی ان کے دامِ تزویر میں آجائیں۔ اگر وہ سنی ہوتے تو سنی علماء سے تعزیہ کے بارے میں پوچھ لیتے۔ حالانکہ اہلِ سنت کے دونوں مکتبِ فکر دیوبندی اور بریلوی علماء کے نزدیک مروجہ ماتم اور تعزیہ سازی وغیرہ بدعت اور حرام ہیں اور مسلک اہلِ حدیث کے علماء بھی ان کو حرام ہی قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ناواقف سنی جوانوں کے نزدیک یہ تعزیوں اور گھوڑوں کے جلوس ایک تماشا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح وہ دوسرے تماشے دیکھتے ہیں اسی طرح وہ تعزیوں کے جلوسوں کا بھی تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہوجاتے ہیں۔ بہرحال یہ ماتمی جلوس کسی طرح بھی جائز نہیں ہیں اور اہلسنت کے دروازوں پر یہ ماتمی ہنگامے اور خصوصاً سنی مساجد کے سامنے اس قسم کے ماتمی مظاہرے مذہب اہلسنت میں کھلی مداخلت ہے جس کی موجودہ سیاسی حکومتیں ذمہ دار ہیں۔ سنی عوام و خواص میں جب تک دائیں بائیں کی سیاست سے ہٹ کر مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ کی شاہراہِ جنت نہیں اختیار کریں گے اور جب تک عقیدہ خلافت راشدہ کی بنیاد پر متحد و منظم نہیں ہوں گے تب تک یہ مسائل حل نہیں ہوں گے۔ جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غیرت و حمیت ہی

ربّ قدیر کی نصرت حاصل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اگر یہ نہیں تو مروّجہ جمہوری سیاست تو بجائے تحفظ کے اصل دین کی بربادی کا باعث بنے گی۔ واللہ نصیر وھو علیٰ کل شی قدیر۔

صدر ضیاء الحق کی برسی

سابق صدر مملکت جنرل ضیاء الحق مرحوم بہاولپور سے واپسی پر سی ۱۳۰ طیارے کے حادثہ میں ۱۷ اگست ۸۸ء کو جنرل اختر عبدالرحمٰن اور دوسرے جرنیلوں اور فوجی افسروں سمیت انتقال کر گئے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ طیارے میں سوار اہلِ ایمان کی مغفرت فرمائے اور جنت نصیب ہو۔ آمین۔ جنرل ضیاء الحق کی پہلی برسی ۱۷ اگست ۱۹۸۹ء کو شاہ فیصل مسجد میں منائی گئی جس میں لاکھوں آدمی شریک ہوئے۔ قرآن خوانی بھی ہوئی اور مرحوم صدر اور ان کے رفقاء کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ صدر ضیاء الحق صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور حج اور عمرہ کی سعادتیں بھی ان کو نصیب ہوئی تھیں۔ ان میں شرافت اور سادگی بھی تھی۔ تقریباً گیارہ سال وہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ پر فائز رہے۔ ان میں خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی۔ بظاہر شخصی حیثیت سے ان میں سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ شرعی پردہ کے پابند نہ تھے اور اپنی اہلیہ کو بے حجاب دوسرے ممالک میں لے جاتے تھے اور اب تک ان کے گھر کے خواتین کی تصویریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اور شخصی حیثیت سے مسنون ڈاڑھی نہ رکھنا بھی ان کا عیب تھا حالانکہ ڈاڑھی شعارِ اسلام میں سے ہے۔ گو صدر مرحوم مذہبی مزاج رکھتے تھے۔ حکیم الامت حضرت علی اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں غالباً بیعت بھی تھے۔ اسی نسبت سے ان کو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب (مقیم کراچی) سے عقیدت تھی اور ان سے اپنے خاندان کے نکاح بھی پڑھوایا کرتے تھے۔ لیکن مذہبی احساسات اور جذبات کے باوجود وہ اپنے گیارہ سالہ دورِ اقتدار میں اسلامی نظام حکومت نہ قائم کر سکے حالانکہ بحیثیت سربراہِ مملکت ان کا اصل شرعی فریضہ یہی تھا۔ انہوں نے زکوٰۃ کا نظام جاری کیا لیکن اس میں بھی انہوں نے شیعوں کو زکوٰۃ آرڈیننس سے مستثنیٰ کر دیا۔ انہوں نے نظامِ صلوٰۃ جاری کیا لیکن وہ بھی برائے نام تھا جس میں کئی مقامات پر ایسے ناظمین صلوٰۃ مقرر ہوئے جو خود پابندِ نماز نہ تھے۔ معاشرہ میں ہوسِ اقتدار کا اتنا غلبہ ہو چکا ہے کہ لوگ صرف وقار و اقتدار کے بھوکے ہیں جو کسی ذریعہ سے ہی ان کو مل سکے اور آج کل کی سیاسی جمہوریت میں یہی وہ مہلک مرض ہے جس میں عموماً سیاسی زعما مبتلا ہیں۔ مروّجہ جمہوریت یقیناً غیر اسلامی ہے جس سے اسلامی اصول و عقائد کو بہت زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے۔ یہ بے قید و بے لگام جمہوریت ہے جس کا سیاسی لیڈران ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ عمومی انتخابات کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

کیسے کیسے لوگ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کی زینت بنتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے اور یہ اسی جمہوریت کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کی وزیر اعظم ایک عورت ہے۔ ہمیں یہاں پیپلز پارٹی یا مسلم لیگ وغیرہ سے بحث نہیں ہے۔ ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ کیا پاکستان میں کوئی بھی مرد ملکی قیادت کا اہل نہیں ہے۔ پاکستان کی تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے جس کی وجہ سے قیامِ پاکستان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایصالِ ثواب

اسلام میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی ولادت اور وفات کا دن منانے کی کوئی اہمیت نہیں ہے البتہ کسی عظیم الشان اسلامی کارنامے کی یاد تازہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً عید الاضحیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یادگار ہے اور سن ہجری بھی ہجرتِ نبویؐ اور ہجرتِ صحابہؓ کی یادگار ہے۔

ہزارہا صحابہ کرامؓ ہیں جو سب جنتی ہیں۔ ان میں چودہ سو بیعتِ رضوان والے بھی ہیں۔ ۳۱۳ اصحابِ بدر بھی ہیں۔ عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ علیہم جیسے مشہور جرنیل اور فاتح بھی ہیں۔ ان میں قرآن کے چار موعودہ خلفائے راشدین بھی ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین لیکن دَورِ رسالت اور دَورِ خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد تک بھی کسی کی برسی نہیں منائی گئی اور آج کل تو برسی کا رواج عام ہو رہا ہے۔ باقی رہا میت کے لیے ایصالِ ثواب، تو وہ مستحب ہے لیکن اس کے لیے نہ وقت کی تعیین ہے نہ اجتماع کی ضرورت۔ اس قسم کے تکلفات مزاجِ شریعت کے خلاف ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ جیسے فرائض کی پابندی تو نہیں کی جاتی لیکن برسیوں پر بے دریغ سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے جو اسراف و تبذیر میں داخل ہے۔ صدر ضیاء مرحوم کی برسی میں گو قرآن خوانی ہوتی رہی لیکن اس کی تہہ میں ایک سیاسی قوت کے مظاہرہ کا جذبہ بھی موجود تھا۔ اس میں وہ علماء بھی شریک ہوئے جو ایسے برسیوں کو خلافِ سُنّت اور بدعت قرار دیتے ہیں اور پھر صدر ضیاء الحق مرحوم تو حضرت تھانویؒ کے سلسلہ میں بیعت تھے ان کے صاحبزادہ اعجاز الحق وغیرہ کو اصل مسئلہ ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایصالِ ثواب کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مذہب اہلسنت والجماعت کا یہ ہے کہ اموات مسلمین کو ثواب عباداتِ بدنیہ و عباداتِ مالیہ کا پہنچتا ہے،

خواہ فاتحہ ہو یا کوئی خیرات وحسنات ہو۔ قال اللہ تعالیٰ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ الآیۃ۔ پس اگر دعا احیاء واموات کے لیے نافع نہ ہوتی کیوں تعلیم کی گئی۔ وقال اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وَصَلِّ عَلَیْهِمْ[1] اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ پس اگر نمازِ جنازہ مومنین کو نافع نہ ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامور نہ ہوتے اور اس کو سکن کیوں فرماتے۔ وفی مشکوۃ عن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعدؓ ماتت فایّ صدقۃ افضل۔ قال الماء۔ فحفر بیرًا وقال ھذہ لِاُمّ سعدؓ۔ رواہ ابوداؤد۔[2]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ نے پانی کے صدقہ کا ثواب پہنچانے کا امر فرمایا۔ اگر نہ پہنچتا کیوں فرماتے۔ (امداد الفتاویٰ جلد پنجم کتاب العقائد والکلام)۔

(۲) ایک اور استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں کہ سوم و دہم وچہلم وغیرہ ہمہ بدعات وماخوذ از کفار ہنود است۔ یعنی ایصالِ ثواب کے لیے تیسرا، دسواں اور چالیسواں (اور سالانہ) مقرر کرنا یہ سب بدعات میں سے ہیں جن کو ہندوؤں کی رسوم سے لیا گیا ہے۔ (ایضاً امداد الفتاویٰ جلد پنجم)

(۳) فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ثواب میت کو پہنچانا بلا قید وتاریخ وغیرہ ہو تو عین ثواب ہے اور جب تخصیصات اور التزامات مروجہ ہوں تو نا درست اور باعثِ مواخذہ ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ مبوّب)

---

(۴) مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں: ایصالِ ثواب ایک اچھا اور مستحسن کام ہے بشرطیکہ اس میں احکام وحدودِ شرع سے تجاوز نہ کیا جائے۔ اس کی اصل شرعی یہ ہے کہ انسان کوئی نیک عمل کرتا ہے اور اس سے اس کی غرض حضرت حق جل مجدہ کی رضا جوئی یا اس کی عبادت کرنی ہوتی ہے۔ ریا وسمعہ یا رسوم مروجہ کی پابندی مقصود نہیں ہوتی۔ اخلاص پر عمل کا دارومدار ہوتا ہے تو حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کی رحیم وکریم بارگاہ سے اس کو اس عمل خیر کا ثواب دیے جانے کا وعدہ صادقہ فرمایا گیا ہے اور رحمت بالائے رحمت یہ ہے کہ اگر وہ اخلاص کے

---

[1] وَصَلِّ علیہم (سورۃ توبہ رکوع ۱۳) اور ان کے لیے دعا کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ اطمینان (قلب) ہے (ترجمہ حضرت تھانویؒ)۔ [2] حدیث ام سعد کا ترجمہ یہ ہے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ سے روایت ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ان کی والدہ وفات پا گئی ہیں ان کے لیے کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی۔ پھر حضرت سعدؓ نے کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ ام سعد (ان کی والدہ) کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ساتھ یہ دُعا کرے کہ یا اللہ اس ناچیز عمل کا جو ثواب مجھے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہ فلاں شخص کو میں بخشتا ہوں یا اس کو پہنچا دیا جائے تو حضرت حق اس شخص کو جسے ثواب بخشا گیا ہے عطا فرما دیتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے اس عمل ایصال ثواب کے لیے کوئی خاص وقت یا خاص چیز یا خاص ہئیت کی شرط اور قید نہ لگائی ہو تو اپنی طرف سے ایسی تخصیص کرنی ناجائز اور حد شرعی سے تجاوز ہو گا۔ (کفایۃ المفتی جلد اوّل)

ایصال ثواب اور برسی کے متعلق یہاں اس لیے عرض کر دیا گیا ہے کہ عوام بڑوں کے کام کو عموماً حجت بنا لیتے ہیں۔ الناس علی دین ملوکھم۔ اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا اس کے لیے نافع ہے بشرطیکہ وہ غرباء اور محتاجوں پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح بلا معاوضہ اور بلا کسی دکھلاوے کے قرآن مجید یا آیت کریمہ وغیرہ کا ثواب پہنچانا بھی کار ثواب ہے لیکن اس سلسلے میں اب عموماً رسم و رواج کی پیروی کی جاتی ہے اور فرائض و اجبات کی طرح اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور دینی اور دنیوی اکابر و زعماء کی برسیوں کا اگر سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر سال بھر کا۔ غالباً کوئی دن بھی ایسا خالی نہ رہے گا جس میں کسی نہ کسی بڑے کی وفات یا شہادت نہ واقع ہوئی ہو۔ اس طرح تو سارا سال پاکستان برسیوں کی لپیٹ میں رہے گا اور حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت کی برسی اور چہلم ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ابتدا کیا تھی اور اب اس کی انتہا کی کیا شکل ہے۔ شرعی حدود کا تحفظ ہی ایک ایسا مؤمنانہ کردار ہے جو اسلام کی سربلندی کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اندرونی اور بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھیں اور نظام خلافت راشدہ کی ایک جھلک سے اس کو اسلامی اقدار سے منور کر دیں اور ہم سب کو عقیدہ خلافت راشدہ کی تبلیغ اور اس کے تحفظ کی توفیق دیں کیونکہ نظام خلافتِ راشدہ ہی ایک ایسا معیاری نظام حکومت ہے جو کتاب و سنت کی تجلیات کا مظہر اتم ہے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

محمدؐ پر نہ ہو ایمان جب تک
خدا پر کس طرح ہو گا کسی کو؟
نہ دیکھا ہوتا گر روئے نبیؐ کو
اس ان دیکھے کو کوئی مانتا کیوں؟

— خسروی

کتابِ فطرت کے سرورق پر جو نامِ احمدؐ رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی اُبھر نہ سکتا وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا

یہ محفلِ کن فکاں نہ ہوتی جو وہ امامِ امم نہ ہوتا
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا

تیرے غلاموں میں بھی نمایاں جو تیرا عکسِ کرم نہ ہوتا
تو بارگاہِ ازل سے اُن کا خطاب خیرالامم نہ ہوتا

نہ روئے حق سے نقاب اُٹھتا نہ ظلمتوں کا حجاب اُٹھتا
فروغ بخشِ نگاہِ عرفاں اگر چراغِ حرم نہ ہوتا

سوائے صدّیقؓ کون پاتا حضورِ انورؐ کی جانشینی
کہ وہ نہ ہوتے تو یُوں جہاں میں بلند دیں کا عَلم نہ ہوتا

یہ سچ ہے بعد نبیؐ نبوّت کا فخر فاروقؓ ہی کو ملتا
جو سلسلہ وحی آسماں کا حضورؐ پر مختتم نہ ہوتا

خلافتِ راشدہ کا منصب اگر نہ ہوتا نصیبِ عثمانؓ
تو دفترِ وحی آسمانی مرتب و منتظم نہ ہوتا

زہے علوئے مقامِ حیدرؓ خوشی میں کہتے تھے خود پیمبرؐ
کہ فتح ہوتا نہ قلعہ خیبر جو آج یہ ابنِ عم نہ ہوتا

علامہ اقبال احمد خان سہیل مرحوم

فضائلِ صدیق اکبرؓ

قسط دوم

جناب پروفیسر حافظ عبد المجید صاحب ایم۔ اے اردو/ ایم ایس سی فزکس (چکوال)

قول حضرت ام سلمہؓ

حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں:

جب آپؐ کو نبوت ملی تو قریش کے چند اشخاص حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکرؓ یہ تیرے دوست معاذ اللہ مجنون ہو گئے۔ وہ مسجد میں اللہ کی توحید کی طرف بُلاتے ہیں اور نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کیا واقعی آپؐ نے یہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپؐ مسجد میں ہیں اور یہی کچھ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے اس سلسلے میں دریافت فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ ابوبکرؓ بالیقین میرے ربّ عزّ و جل نے مجھے بشیر و نذیر بنایا ہے اور مجھے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

واللہ ما جربت علیک کذبا	خدا کی قسم میں نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے
وانک لخلیق بالرسالۃ لعظیم	نہیں دیکھا اور بلا شبہ آپ رسالت کے
امانتک وصلتک لرحمک	حقدار ہیں بسبب آپ کی امانت عظیم
وحسن فعالک۔ (الریاض النضرۃ ص۹۶)	صلہ رحم و حسنِ عمل کے۔

اور عرض کیا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں۔ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ حضورؐ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی بیعت و تصدیق کی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

فواللہ ماتلعثم ابوبکر حین دعاہ رسول اللہ الی الاسلام
پس اللہ کی قسم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے ذرا بھی دیر نہ کی۔

الریاض النضرہ ج ۱ ص۴۹

قول حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے حسانؓ کا شعر نہیں سُنا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے حضرت حسانؓ کا مذکورہ بالا شعر پڑھ کر سُنایا اور حضرت ابوبکرؓ کے اوّل الاسلام ہونے کی تصدیق و تصویب کی۔

(ازالۃ الخفاء مترجم ج ۱ ص۳۷۲ تاریخ الخلفاء ص۲۶)

قول حضرت ابوارولی دوسیؓ

ابن سعد ابوارولی دوسی صحابی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

اول من اسلم ابوبکر الصدیق
سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے۔

تاریخ الخلفاء ص۲۶ طبقات ابن سعد ج ۳ ص۱۷۱

قول جلال الدین سیوطیؒ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت ابوبکرؓ کے اوّل الاسلام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وقد قال انہ اول من اسلم خلائق من الصحابہ والتابعین وغیرھم بل ادعی بعضھم الاجماع علیہ۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۷)
صحابہؓ اور تابعین کی ایک کثیر جماعت کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے بلکہ بعض نے اس پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

قول حضرت ابومحجن ثقفیؓ

حضرت ابومحجن ثقفی صحابیؓ نے اپنے اشعار میں حضرت ابوبکرؓ کے اوّل الاسلام ہونے کی شہادت دی ہے۔

فرماتے ہیں:۔

سبقت الی الاسلام واللہ شاھد
اللہ گواہ ہے کہ اے ابوبکرؓ تم نے
وکنت جلیسا بالعریش المشھر
سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی

ازالۃ الخفاء ج ۱ صـ ۳۹۷ — اور تم عریش بدر میں حضورؐ کے ہم نشین تھے۔

قول حضرت عائشہؓ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

فلما فرغ من کلامہ اسلم ابوبکر۔ — حضورؐ نے اپنا یہ کلام ختم ہی کیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اسلام لے آئے۔

اور بقول حضرت عائشہؓ ابوبکرؓ کے اسلام لانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت و خوشی کا یہ عالم تھا کہ

وما بین الاخشبین احد اکثر سرورا باسلام ابی بکر — حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لے آنے کی وجہ سے وادیٔ مکہ میں حضورؐ سے زیادہ سرور و شادماں کوئی نہ تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۳ صـ ۳۰)

(اخشبین مکہ کے دو پہاڑ ہیں)۔

ایک واقعہ

ایک دفعہ حضرت عقیل رضؓ بن ابی طالب اور حضرت ابوبکرؓ میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم میری خاطر میرے دوست ابوبکرؓ کو معاف نہیں رکھ سکتے۔ کہاں اس کی شان اور کیا تمہاری حیثیت۔ واللہ تمہارے سب کے دروازوں پر ظلمت اور تاریکی رہی۔ صرف ابوبکرؓ ہی ہیں جن کے دروازے پر نور رہا۔ خدا نے مجھے تمہاری جانب مبعوث فرمایا۔ تم نے کہا جھوٹ کہتے ہو مگر ابوبکرؓ نے کہا سچ کہتے ہو اور جان و مال سے میری ہمدردی کی۔ کیا تم میری خاطر میرے دوست کو معاف رکھو گے۔

(قرۃ العینین صـ ۱۱)

ایک اور واقعہ

ایک دفعہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی۔ حضورؐ کو خبر ملی تو فرمایا۔ اللہ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا مگر تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکرؓ نے تصدیق کی اور اپنے نفس اور مال کے ساتھ میری غم گساری کی۔ تو پھر کیا تم میرے ساتھی کو میری خاطر نہ چھوڑ دو گے یعنی ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ گے۔ حضورؐ نے یہ جملہ دو دفعہ دہرایا۔ (بخاری ج ۱ صـ ۵۱۷)

قولِ ابن جوزیؒ

حضرت علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت ابن عباسؓ، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ حضرت محمدؐ بن المنکدرؒ، ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰنؒ، صالح بن کیسانؒ، عثمان بن محمد الاخنسؒ ان سب کو اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں سب سے اول اسلام لانے والے حضرت ابوبکرؓ ہیں۔

(صفوۃ الصفوۃ ص۸۹ ۔ الریاض النضرہ ص۷۵)

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے قبولِ ایمان و اسلام کی سعادت حضرت ابوبکرؓ ہی کو حاصل ہوئی اور سبقتِ اسلام والی تمام روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے حضرت ابوبکرؓ کا صحابہ کرام میں سے اوّل الاسلام ہونا یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے اور اس سلسلے میں جتنے شواہد ہیں ان میں سے ایک اہم شاہد یہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بعثت سے پہلے بھی حضورؐ کے دوست تھے۔

قبل از بعثت حضورؐ کے ساتھ ابوبکرؓ کی دوستی

حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے دوست تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وکان صدیقا لہ فی الجاھلیۃ

(البدایہ والنہایہ ج ۳ ص۲۹

الریاض النضرہ ص۷۱)

اور جاہلیت میں حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے گہرے دوست تھے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان ابوبکر صدیقا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفیا لہ

(الریاض النضرہ ص۷۱)

حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی اور مخلص دوست تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"وہ (یعنی ابوبکرؓ) قبل از اسلام ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طریق محبت و

فدائیت اختیار کیے ہوئے تھے۔ (ازالۃ الخفا مترجم ج ۳ ص۲۹)

حضرت ابوبکرؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بچپن ہی سے خلوص اور انس تھا اور آپؐ کے مخصوص حلقۂ احباب میں داخل تھے۔ اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ (کنز العمال)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے دوستانہ تعلقات دیرینہ تھے۔ (صدّیق اکبر ص۳۰)۔ حضرت ابوبکر صدّیقؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانۂ اقدس میں کثرت جاتے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خانۂ صدّیق میں عموماً تشریف لے جایا کرتے تھے۔ (ثانی اثنین ص۴)

وکان صدیقا لہ فی الجاھلیۃ — حضرت ابوبکرؓ جاہلیت میں حضورؐ کے دوست تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۲۸)

جب حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا تو نکاح کے سلسلے میں جو گفتگو ہوئی اس میں حضرت ابوبکرؓ واسطہ بنے اور نکاح کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ موجود تھے۔

اختلف ابوبکر فیما بینہ و بین خدیجۃ حتی انکحھا ایاہ — ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہؓ کے درمیان آمدورفت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا نکاح حضورؐ سے کرا دیا۔ (ازالۃ الخفا ج ۳ ص۳۰)

اس نکاح میں ابوطالب، حمزہؓ اور حضورؐ کے دوسرے چچاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ بھی شریک ہوئے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۴۳)

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ واسطہ بنے۔ (الاصابہ ج ۲ حرف عین ص۳۳۵)

نیز اسی قدیم دوستی کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ سفرِ شام میں حضورؐ کے ساتھ شریکِ سفر ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ سفرِ شام میں حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ (الاصابہ ج ۲ حرف عین ص۳۳۵)

ایک روایت کے مطابق جب حضورؐ نے ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر کیا تو حضرت ابوبکرؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ اس سفر میں جب بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی اور اس نے حضورؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کی بشارت سنائی اور ابوطالب کو اس نے وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ

سے حضورؐ کی خوب حفاظت کریں تو ابوطالب نے حضورؐ کو حضرت ابوبکرؓ وحضرت بلالؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیج دیا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۱)

ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس سفر میں بحیرا راہب کی یہ بشارت سُن لی تھی اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کے دعوئ نبوت کے فوراً بعد اسلام قبول کر لیا۔

میمون بن مہرانؒ کا قول

میمون بن مہرانؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے اسلام لائے یا حضرت علیؓ، تو انہوں نے جواب دیا بخدا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو بحیرا راہب سے ملاقات کے بعد ہی حضورؐ پر ایمان لے آئے تھے اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ حضورؐ کی شادی کے موقع پر اس سلسلہ میں گفتگو بھی ہوئی تھی اور یہ تمام واقعات اس زمانہ کے ہیں جبکہ حضرت علیؓ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۷)

بحیرا راہب سے ملاقات

ایک دفعہ ابوبکرؓ نے حضورؐ کے ساتھ شام کا سفر کیا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر بیس سال اور حضرت ابوبکرؓ کی اٹھارہ سال تھی۔ دورانِ سفر حضورؐ نے ایک بیری کے درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ حضورؐ کو سایہ میں بٹھا کر حضرت ابوبکرؓ ایک راہب کے پاس پہنچے جس کا نام بحیرا تھا۔ راہب سے حضرت ابوبکرؓ کی جب گفتگو ہوئی تو راہب نے کہا خدا کی قسم یہ شخص جو اس بیری کے درخت کے نیچے بیٹھا ہے نبی ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں حضورؐ کی تصدیق گھر کر گئی اور جب آپؐ نے اظہارِ نبوت فرمایا تو آپؓ نے فی الفور آپؐ کی پیروی اختیار کی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۱، ۴۲)

بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ قبلِ نبوت بھی حضورؐ پر ایمان رکھتے تھے یعنی جانتے تھے کہ آپؐ نبئ منتظر ہیں (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۱)۔ ایک روایت کے مطابق ابوطالب کے ساتھ اس سفرِ شام میں جب بحیرا راہب کے کہنے پر حضورؐ کو واپس بھیجا گیا تو اس موقع پر

وبعث معه ابوبکر بلالا وزوّده الراهب من الكعك والزيت	حضورؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو بھیجا اور راہب نے بطور زادِ راہ کلیچے اور زیت دیا۔

(ازالۃ الخفا مترجم ج ۳ ص ۲۹)

ایک اشکال

مذکورہ روایت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضؓ کو تو حضرت ابوبکرؓ نے بعثت کے بعد خریدا۔ اس سفر میں حضرت بلال رضؓ کا ہمراہ ہونا کیسے ممکن ہے۔ اس اشکال کی بناء پر مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس واقعہ کی صحت پر شک کا اظہار کیا ہے لیکن شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اس اشکال کی کوئی وقعت نہیں اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ کے حضرت بلال رضؓ کو ساتھ لینے کے لیے ضروری نہیں کہ حضرت بلالؓ اس وقت ضرور حضرت ابوبکرؓ کے غلام ہی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو اس کے مالک سے بطریق اجارہ یا بطورِ عاریتاً ساتھ لیا ہو۔ اسی زمانہ میں حضرت بلالؓ بنی جمح کے مملوک تھے اور یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ہمسایہ تھے اور ان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے اچھے معاملات اور ہمدردانہ تعلقات تھے۔ (ازالۃ الخفا مترجم ج ۳ ص ۲۹)

شیعہ کا ایک اعتراض

بحیرا راہب کے مذکورہ واقعہ کو سامنے رکھتے ہوئے شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ چونکہ بحیرا راہب نے یہ کہا تھا محمدؐ نبی ہوں گے اور ابوبکرؓ ان کے وزیر اور خلیفہ تو ابوبکرؓ نے اس وزارت و خلافت کے طمع و لالچ میں اسلامی کلمہ صرف ظاہری طور پر پڑھ لیا۔ دل سے نہیں پڑھا۔ (تجلیات صداقت ص ۳۵)

جوابِ آں غزل

معمولی دماغ رکھنے والا انسان بھی اگر غور و فکر کرے تو اس پر اس اعتراض کی سطحیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ ذرا دیکھیں کہ حضرت ابوبکرؓ جب بحیرا راہب کی زبان سے حضرت محمدؐ کی نبوّت کی بشارت سنتے ہیں تو کیا ان کو اس بشارت پر یقین تھا یا نہیں۔ اگر یقین تھا تو پھر حضرت ابوبکرؓ کا اسلام لانا یقیناً صرف ظاہری اسلام نہ تھا بلکہ قلبی اور حقیقی ایمان و اسلام تھا اور اگر حضرت ابوبکرؓ کو اس بشارت پر یقین نہ تھا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بشارت کے ایک حصّے پر — یعنی حضورؐ کی نبوّت پر — تو یقین نہ ہو اور دوسرے حصہ پر — یعنی حضرت ابوبکرؓ کے وزیرِ رسول اور خلیفہ رسول ہونے پر — یقین ہو۔ اگر حضرت ابوبکرؓ کو یہ یقین تھا کہ وہ وزیرِ رسولؐ اور خلیفۂ رسولؐ بنیں گے تو لازماً ان کو حضورؐ کی رسالت پر بھی یقین تھا کیونکہ اگر یہ پیش گوئی سچی ہے تو اسے کامل طور پر سچا ہونا چاہیئے۔ اگر حضورؐ کی رسالت برحق ہے اور یقیناً برحق ہے تو حضرت ابوبکرؓ کا وزیرِ رسول اور خلیفۂ رسولؐ

ہونا بھی سو فی صد برحق ہے اور صرف ظاہری طور پر ماننے والا اور دل سے انکار کرنے والا شخص حضورؐ کی وزارت وخلافت کے منصب کو کیسے حاصل کر سکتا ہے ؟ اس لیے یہاں معاملہ طمع اور لالچ والا نہیں بلکہ ایمان ویقین والا ہے۔ اگر بات طمع اور لالچ والی ہو تو حضرت ابوبکرؓ وزیرِ رسول اور خلیفۂ رسولؐ کے مقام پر فائز نہ ہو سکتے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ابوبکرؓ دل سے ایمان نہ لاتے تو حضورؐ کے وزیر اور خلیفہ نہ بن سکتے۔ لیکن چونکہ ابوبکرؓ حضورؐ کی وزارت اور خلافت پر فائز ہوئے اس لیے ثابت ہُوا کہ حضرت ابوبکرؓ دل سے ایمان لائے تھے اور ان کا ایمان پکا تھا۔

بُت پرستی سے نفرت

اور حضرت ابوبکرؓ کے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو شروع ہی سے بُت پرستی سے نفرت تھی اور انہوں نے کبھی بھی بُت پرستی نہ کی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس مہاجر اور انصار جمع تھے۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا۔

آپ کی زندگی کی قسم انی لم اسجد لصنم قط۔ میں نے کبھی کسی بت کے آگے سجدہ نہیں کیا۔ میں اتنے اور اتنے سال کا تھا کہ میرے والد ابوقحافہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک بُت خانے میں لے گئے اور کہنے لگے یہ تیرے معبود ہیں تو ان کو سجدہ کر۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے۔ اور میں تنہا رہ گیا۔ میں ایک بُت کے قریب گیا اور اس کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے پھر کہا میں ننگا ہوں۔ مجھے کپڑے پہنا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے ایک پتھر اُٹھایا اور بُت سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں تیرے اوپر ایک پتھر پھینک رہا ہوں۔ اگر تو معبود ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ پھر میں نے وہ پتھر اس پر پھینک دیا اور وہ بت منہ کے بل گر پڑا۔ اس دوران میرے والد آگئے۔ کہنے لگے بیٹے یہ کیا ہُوا۔ میں نے کہا جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں۔ (مرقاۃ ج ۱۱ صـ ۲۹۱)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :۔

" شاید یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ میں اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو خلیل بناتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے بھی ایسی باتیں صادر ہوئیں خلیل

سے ظاہر ہوئیں۔ مثلاً بتوں کو ضرب لگانا اور باپ کی مخالفت وغیرہ (مرقاۃ ج ۱۱ صـــ۲۹۱)

حضرت ابوبکرؓ کا بُت پرستی نہ کرنا کئی روایات سے ثابت ہے۔ ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

ان ابابکر لم یسجد لصنم قط (سیرت حلبیہ ج ۱ صـــ۳۰۵) بے شک ابوبکرؓ نے کبھی بھی کسی بت کو سجدہ نہ کیا۔

محدث ابن جوزیؒ سے منقول ہے کہ بعض حضرات ایسے تھے جنہوں نے جاہلیت میں ہی بُت پرستی ترک کردی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابوبکر صدیق، زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، رباب بن البراء، اسد بن کریب الحمیری قس بن ساعدہ ایادی اور ابو قیس بن صرمہ۔ (سیرت ج ۱ صـــ۳۰۵)

بُت پرستی سے متنفر افراد کی اس فہرست میں حضرت ابوبکرؓ کا نام سرفہرست ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ اسلام لانے سے پہلے بھی بت پرستی سے نفرت کرتے تھے اور آپ نے کبھی کسی بُت کے سامنے سر نہ جھکایا اور بُت پرستی سے یہ نفرت بھی ایک اہم سبب تھا حضرت ابوبکرؓ کی سبقتِ اسلام کا۔ عبدالعزیز خالدؔ حضرت ابوبکرؓ کے اس عقیدۂ توحید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

قبلِ اسلام بھی کیا جس نے بُت پرستی سے برملا انکار

شراب نوشی سے حفاظت

حضرت ابوبکرؓ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ایک دفعہ صحابہؓ کے مجمع میں آپ سے پوچھا گیا۔ کیا آپ نے زمانۂ جاہلیت میں شراب نوشی کی۔ آپؓ نے فرمایا پناہ بخدا۔ پوچھا گیا کیا وجہ تھی؟ آپؓ نے فرمایا تاکہ میری عزت محفوظ رہے اور مروّت باقی رہے۔ کیونکہ شراب نوشی سے آبرو ختم ہو جاتی ہے اور مروّت جاتی رہتی ہے۔ اس واقعہ کی جب حضورؐ کو اطلاع ملی تو فرمایا۔ ابوبکر نے سچ کہا اور دو مرتبہ اسی طرح ارشاد فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء صـــ۲۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لقد کان حرم ابوبکر الخمر علیٰ نفسہ فی الجاھلیۃ حضرت ابوبکرؓ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی شراب اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

(تاریخ الخلفاء صـ۲۶)

عبدالعزیز خالد فرماتے ہیں سے

جاہلیت میں بھی کبھی جس نے نہ چکھی لذتِ مےِ گلنار

شراب نوشی سے حفاظت بھی شہادت دیتی ہے حضرت ابوبکرؓ کی فطرت سلیمہ کی اور اسی فطرتِ سلیمہ کی بدولت حضرت ابوبکرؓ کو صحابہؓ میں مسلم اوّل ہونے کا فخر حاصل ہُوا۔

شعروشاعری سے اجتناب حضرت ابوبکرؓ زمانۂ جاہلیت میں شعروشاعری سے بھی محفوظ رہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

واللہ ما قال ابوبکر شعرا قط فی جاھلیۃ والاسلام

اللہ کی قسم حضرت ابوبکرؓ نے کبھی کوئی شعر نہ کہا۔ نہ ہی جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام میں۔

(تاریخ الخلفاء صـ۲۶)

اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں:

ما قال ابوبکر شعرا قط

حضرت ابوبکرؓ نے کبھی کوئی شعر نہیں کہا

(تاریخ الخلفاء صـ۲۶)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

ہم نے آپ کو شعروشاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی وہ آپ کے لیے مناسب ہے۔

اس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضورؐ کے مزاج وطبیعت کی ہم آہنگی سبب بنی باہمی دوستی و یگانگت کی اور اسی کی بدولت حضرت ابوبکرؓ کو سب سے پہلا مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔

حاصلِ کلام مذکورہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

۱۔ حضرت ابوبکرؓ فطرتاً صالح تھے۔ اسی لیے انہیں بُت پرستی سے نفرت تھی اور زمانۂ جاہلیت میں بھی حضرت ابوبکرؓ شرک اور شراب نوشی سے محفوظ رہے۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ کو اوائل عمر ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل تھی۔

۳۔ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے ایمان لائے۔

۴۔ حضرت ابوبکرؓ کا اسلام لانا دیگر مسلمانوں کے اسلام کے مقابلہ میں حضورؐ کے لیے سب سے زیادہ نصرت و اعانت کا سبب بنا۔

۵۔ اس اوّلیت و سبقت فی الاسلام کی وجہ سے بھی حضرت ابوبکرؓ کا درجہ تمام صحابہؓ سے افضل ہے۔ بقول عبدالعزیز خالدؔ ؎

سب سے پہلے ہوا مسلماں جو
جس کا السابقون میں ہے شمار
ہے وہ بالاتفاق امن الناس
متواضع، متین و باکردار

اور بقول علامہ اقبال ؎

ہمتِ او کشتِ ملت را چو ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

نفع کا سودا

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں قحط پڑا اور غلہ کی سخت کمی ہو گئی۔ حضرت عثمان غنی رضؓ نے ایک ہزار بوری گندم باہر سے منگوائی۔ مدینے کے کچھ بیوپاری حضرت عثمان غنی رضؓ کے پاس آئے، گندم خریدنے کی پیش کش کی اور کہا ہم پچاس فی صد منافع دیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ بولے: کیا تم مجھے ایک ہزار فی صد منافع دے سکتے ہو؟

بیوپاری یک زبان ہو کر بولے: ناممکن، اتنا منافع کون دے گا۔

حضرت عثمان غنی رضؓ بولے: یقیناً ملے گا۔ میں یہ اناج غرباء میں تقسیم کروں گا اور امید کرتا ہوں کہ خدا مجھے ایک ہزار فی صد منافع دے

عشقِ یارانِ نبیؐ

سرورؔ میواتی

نہ کرتا عشقِ یارانِ نبیؐ گر یاوری اپنی
سفینہ غرق کر دیتی کبھی کا خود سری اپنی

درِ قصرِ نبوّتؐ تک رسائی کس طرح ہوتی
جو نقشِ پا صحابہؓ کے نہ کرتے رہبری اپنی

یہ اصحابِ محمدؐ سے عقیدت ہی کی برکت ہے
کہ شاخِ بار ور ہر وقت رہتی ہے ہری اپنی

نہیں ہیں دار و گیرِ روزِ محشر سے ہراساں ہم
خدا کے فضل سے نقدِ شریعت ہے کھری اپنی

صحابہؓ آسمانِ دین کے روشن ستارے ہیں
انہی کی روشنی سے ہو رہی ہے رہبری اپنی

ہٹانے کو صراطِ حق سے اک مردِ مسلماں کو
دکھاتا ہے کوئی ہیرا کوئی نیلم پری اپنی

تقیہ کی رِدائیں اوڑھ کر دیتے ہو کیوں دھوکا
دکھاؤ اب نہ چلمن سے ہمیں جلوہ گری اپنی

ٹپکتا ہے حسینؓ خوں تمہاری آستینوں سے
نہ دکھلاؤ ہمیں حیلہ گرو حیلہ گری اپنی

پٹارا شعبدہ بازی کا اپنی بند کر چھوڑو
دِکھاؤ اہلِ سُنّت کو نہ اب بازی گری اپنی

طریقِ اہلِ سُنّت و الجماعت مسلکِ حق ہے
اسی مسلک میں ہے خیر و فلاح و بہتری اپنی

ہمیں شیخینؓ و اہلِ بیتؓ سے یکساں محبت ہے
اِسی سے ہے ہر اک مسلک پہ ثابت برتری اپنی

میں اصحابِ رسول اللہؐ کی خدمت میں لایا ہوں
عقیدت کے گلابوں سے سجا کر طشتری اپنی

نہ ہو کیوں ناز سرورؔ مجھ کو اپنے مسلکِ حق پر
کہ پاتا ہوں درِ مقصود سے جبیں بھری اپنی

شخصیات — قسط اوّل

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی پر فتن دور میں

ڈاکٹر محمد ایوب قادری، ایم اے، پی ایچ۔ ڈی

شاہ عبدالعزیزؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۷۴۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "غلام حلیم" ہے۔ علوم متداولہ کی تحصیل اپنے والد شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) سے کی۔ والد کے انتقال کے بعد شیخ محمدّ عاشق پھلتی (متوفی ۱۱۸۷ھ) خواجہ محمدّ امین کشمیری (متوفی ۱۱۸۷ھ مطابق ۴-۱۷۷۳ء) اور ان کے خسر مولوی نوراللہ بڈھانوی (وفات ۱۱۸۷ھ-۴-۱۷۷۳ء) نے تربیت فرمائی۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ علوم معقول و منقول میں علامہ روزگار تھے۔ نامور مدرس، مصنف، خطیب، واعظ، شیخ طریقت، مفتی، محدث اور مفسر تھے۔ انہوں نے علوم دینیہ اور ملّتِ اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ مرجع علماء و مشائخ تھے۔ تمام عمر درس و تدریس، افتاء، فصل حصومات، وعظ و پند اور تلامذہ کی تربیت و اصلاح میں صرف کر دی۔ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۵ جون ۱۸۲۴ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی قبرستان مہندی پور میں دفن ہوئے۔ مؤمن دہلوی نے شاہ عبدالعزیزؒ کے انتقال پر جو قطعہ تاریخ کہا ہے اس کا آخری شعر نقل کیا جاتا ہے جس سے تاریخ برآمد ہوتی ہے ؎

بے سر و پا گشتہ از دست بیداد اجل — عقل و دیں، لطف و کرم، فضل و ہنر، علم و عمل

۱۰۰+۱+۹+۲۰۰+۸۰۰+۵۰+۳۰+۴۰ = ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء

(شعر کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد عقل و دیں، لطف و کرم، فضل و ہنر اور علم و عمل کے کمالات گویا الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔)

شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک ہم عصر وقائع نگار مولوی عبدالقادر رامپوری (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء)

لکھتے ہیں:۔

"مولوی شاہ عبدؒ العزیز علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے۔ اور ہیئت، ہندسہ، مناظرہ، اصطرلاب، جرّ ثقیل، طبیعات والٰہیات، منطق، اتفاق اختلاف، ملل ونحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے فنِ ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے۔ خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو اور متکلمین میں سے (امام) فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہ ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کرتے تھے چاہے وہ کسی کی رائے کے موافق ہو یا نہ ہو"۔ (بحوالہ علم وعمل (وقائع عبدالقادر۔ مرتبہ محمد ایوب قادری جلد اوّل ص ۲۴۶ آل پاکستان ایجوکیشنل کراچی ۱۹۶۰ء)

شاہ عبدؒ العزیز کا زمانہ ہند وپاکستان کے مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا دور ہے۔ وہ محمد شاہ بادشاہ (متوفی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کی حکومت کے آخری زمانہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے احمد شاہ (معزول ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) عالمگیر ثانی (متوفی ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء) شاہ عالم ثانی (متوفی ۱۲۲۱ھ۔ ۱۸۰۶ء) اور اکبر ثانی (متوفی ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) کا زوال پذیر دورِ حکومت دیکھا۔ یہ مغل بادشاہ اپنے وزراء اور امراء کے ہاتھوں مجبور اور بے بس تھے۔ شاہ عبدؒ العزیز کے بچپن میں احمد شاہ اندھا کر کے قید کر دیا گیا۔ عالمگیر ثانی کو قتل کر کے اس کی نعش جمنا کی ریتی میں پھینک دی گئی۔ شاہ عالم ثانی مدتوں یورپ میں بھٹکتا پھرا۔ پھر انگریزوں سے معاہدہ کے بعد سیندھیا کی حمایت میں اس نے دہلی کے اجڑے تخت کو زینت بخشی۔ مگر بابر واکبر کا یہ جانشین حسرت ویاس کی زندہ تصویر تھا آنکھ بصارت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ کس حسرت سے کہتا ہے ؎

صرصرِ حادثہ برخاست پئے خواری ما　　　داد بر باد سر و برگ جہانداری ما

۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اکبر شاہ ثانی برائے نام پنشن خوار تھا۔ مغل مفاخرین کے زمانہ میں غیر مسلم طاقتیں پوری قوت سے ملک میں ہنگامہ آرا رہیں۔ پنجاب میں سکھوں آگرہ اور بھرت پور میں جاٹوں اور تمام ملک میں مرہٹوں نے اُدھم مچا رکھا تھا۔ مرہٹوں کے ہاتھوں بستیاں

ویران اور غیر آباد ہو چکی تھیں۔ کسی کا جان و مال ان سے محفوظ نہ تھا۔ مرہٹوں نے سترہ حملے تو شمالی ہند پر کیے جن میں پہلا حملہ سنہ ۱۱۵۴-۵ھ / سنہ ۱۷۴۱-۲ء اور آخری حملہ سنہ ۱۲۸۹ھ / سنہ ۱۸۰۴ء میں ہوا۔ مرہٹوں نے چھ مرتبہ بنگال پر تاخت کی۔ پہلی مرتبہ سنہ ۱۱۴۵-۵ھ / سنہ ۱۷۴۱-۲ء میں۔ آخری مرتبہ سنہ ۱۱۶۶ھ / سنہ ۱۷۵۲-۳ء میں حملہ آور ہوئے۔ مرزا ظہیر الدین اظفری لکھتے ہیں:

"یہ تمام خرابیاں مرہٹوں کی بدعملی اور بدنظمی کی وجہ سے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دکھنیوں کی مملکت میں آبادی کیونکر باقی رہے گی۔ ہم نے تو اپنی زندگی میں یہی دیکھا کہ جب ہمارے ملک پر دکھنیوں کا عمل ہوا تو کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو ملک میں نہ آئی ہو۔ غرض ہندوستان کی یہ ساری تباہی دکھنیوں کے آنے کا نتیجہ ہے۔" (واقعات اظفری از مرزا ظہیر الدین اظفری مرتبہ عبد القادر بہ تصحیح و ترجمہ محمد حسین محوی ص ۱۱۱ مدراس ۱۹۳۷ء)

مرہٹوں اور سکھوں کے مظالم کے متعلق خود شاہ عبد العزیز نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ (متوفی ۱۱۸۷ھ-۱۷۷۳-۴ء) کو منظوم عربی حکایت میں لکھا ہے۔ (تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر احسن گیلانی بساط ادب کراچی ۱۹۵۳ء)۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ سکھوں اور مرہٹوں کو ہماری طرف سے مزہ چکھائے بہت برا مزہ بہت جلد بلا تاخیر مہلت کے۔ ان شریروں نے اللہ کی بہت سی مخلوق کو شہید کر ڈالا اور غریب گڈریوں تک کو اپنے ظلم و ستم سے ستایا۔ ہر سال ہماری بستیوں اور شہروں پر چڑھائی کرتے ہیں اور ہم پر صبح و شام حملے کرتے رہتے ہیں۔

مرکزی حکومت کی کمزوری اور بدحالی سے صوبے دار خود سر ہو چکے تھے۔ بنگال میں علی وردی خاں اور اودھ میں برہان الملک سعادت خاں نے اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ دکن میں آصف جاہ نظام الملک کا اقتدار تھا۔ یہ تو سیاسی حالات کا ایک ہلکا سا جائزہ ہے۔ معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی حالات بد سے بدتر تھے۔ اس زمانے کی عام تاریخی شخصی وقائع۔ روزنامچے شعراء کے شہر آشوب اور دوسرا اہم عصر ادب اس موضوع پر خاصی معلومات فراہم کرتا ہے۔ محمد شاہ کے زمانے میں دکن کے ایک رئیس درگاہ قلی خاں (متوفی ۱۱۸۰ھ - ۱۷۶۶ء) نے دہلی کی سیاحت کی ہے۔ یہ سیاحت نامہ "مرقع دہلی" کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ اس کے پڑھنے سے شرم و حیا کی آنکھیں جھک جاتی ہیں اور غیرت و حمیت کو حجاب آتا ہے۔ سپاہی اور بادشاہ عالم اور عامی ہر شخص حقیقت اور واقفیت سے

فرار اختیار کرتا ہے۔ عمل سے گریز اس دور کی عام خصوصیت ہے۔ بدعات اور محدثات کا زور ہے تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے زمانے میں شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی اصلاحی تحریک شروع کی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے یوں تو ہر مورچہ کو سنبھالا مگر شیعیت اور تفضیلیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو جس کوشش اور حسن تدبیر سے رد کا یہ انہی کا حصہ تھا اور یہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ تھا۔ آپ اب ذرا اس مسئلہ کا تاریخ کی روشنی میں جائزہ لیں۔

مغل متاخرین کے زمانے میں شاہی دربار میں ایرانی اور تورانی (شیعہ اور سُنی) دو مستقل پارٹیاں تھیں۔ سیاسی اثر و اقتدار کے لیے ان دونوں پارٹیوں میں مسابقت ہوتی تھی۔ ایرانی پارٹی اگرچہ اقلیتی پارٹی تھی مگر اثر و اقتدار کے اعتبار سے بہت مضبوط اور مستقل تھی۔ وہ بہت تدبر اور تنظیم سے کام کرتی تھی اور اکثر کامیاب ہوتی تھی۔ اس کا اثر دربار سے لے کر بازار تک تھا۔ یوں تو اس تنظیم و فکر کی بنیاد دکن کی شیعہ حکومتوں نے قائم کی مگر شمالی ہند میں ہمایوں کے دوبارہ ہندوستان آنے پر اس جماعت کو فروغ حاصل ہوا۔ اکبر کی پالیسی مذہبی معاملہ میں بڑی آزادانہ تھی۔ اس کا فائدہ بھی بلا واسطہ اس جماعت کو ہوا۔ اس کے زمانے میں نوراللہ شوستری (متوفی ۱۰۱۹ھ/ ۱۱-۱۶۱۰ء) دارالسلطنت لاہور کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کی کتاب مجالس المومنین مشہور و معروف ہے جس میں انہوں نے اہل سنت کے اکابر مشائخ و علماء کو "زمرۂ مومنین" میں دکھایا ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں زمام حکومت نور جہاں کے ہاتھ میں تھی۔ شاہجہاں کے زمانے میں نور جہاں کے بھائی آصف خان اور اس کے خاندان کو اقتدار حاصل ہوا کیونکہ آصف خان کی کوششوں سے شاہجہاں تخت شاہی پر متمکن ہوا تھا اور اس کی بیٹی ممتاز محل شاہجہاں کی چہیتی بیگم تھی۔ اور نگ زیبؒ عالمگیر گو یوں تو متعصب سُنی مشہور ہے مگر اس کے امراء و مصاحبین میں اہل تشیع کی ممتاز تعداد نظر آتی ہے۔ اورنگ زیب کا فرزند بہادر شاہ اوّل جب تخت نشین ہوا تو اس نے شیعہ مسلک اختیار کیا۔ مؤلف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:

چوں بتحقیق خود مذہب شیعہ امامیہ را حق میں دانست ہمیں مسلک اختیار نمودہ (اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں کوشاں ہوا) در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می (سیر المتاخرین جلد دوم از غلام حسین طباطبائی ص ۳۸۱ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

اس نے اپنے نام میں "سید" کا اضافہ کیا اور چوتھے سال جلوس ۱۱۲۱ھ/ ۱۰-۱۷۰۹ء میں اپنے

شیعہ وزیر منعم خان کے مشورہ سے حکم دیا کہ خطبہ میں خلفائے راشدینؓ کے ذکر میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ داخل کیا جائے۔ اس حکم سے جمہور اہل سنت میں بدلی پیدا ہوئی۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے احمد آباد (گجرات) میں ایک خطیب مارا گیا۔ لاہور میں بات اس سے بھی زیادہ بڑھی۔ بہادر شاہ نے علمائے لاہور کو اپنے حضور طلب کیا۔ مولانا یار محمد کی قیادت میں مولوی محمد مراد دوسرے ہفتہ علمار کے ہمراہ بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے خود مباحثہ مناظرہ کیا مگر مولانا یار محمدؒ نے نہایت جرأت اور استقامت سے اعلان حق کیا اور اپنے موقف پر ثابت قدم رہے۔ بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر کہا۔ "تو بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا۔"

اُس مرد مجاہد نے جواب دیا۔" میں اپنے خدا سے چار چیزوں کی آرزو رکھتا تھا۔ اوّل تحصیل علم، دوم حفظ کلام اللہ، سوم حج، چہارم شہادت۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا کیں۔ آرزوئے شہادت باقی ہے۔ امیدوار ہوں کہ بادشاہ کی توجہ سے یہ بھی نصیب ہو۔"

(تاریخ ہندوستان جلد نہم از شمس العلمار مولوی ذکاء اللہ دہلوی ص۴۳، شمس المطابع دہلی ۱۸۹۸ء)

اس مناظرہ کے نتیجے میں شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"اس مباحثہ میں کئی روز لگے۔ ایک ایک آدمی جن میں بعض افغان تمن دار بھی تھے حاجی یار محمدؒ سے متفق ہوئے۔ شہزادہ عظیم الشان بھی خفیہ اس جماعت کا طرفدار تھا آخر کو جب حیدر نے خطبہ کے لیے عرضی دی تو بادشاہ نے اس پر دستخط کیے کہ عالمگیر کے زمانے کی طرح خطبہ پڑھا جایا کرے۔ اس طرح جھگڑا ختم ہوا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے حاجی یار محمد اور دو اور فاضلوں کو جن سے وہ آشفتہ خاطر تھا ایک قلعہ میں بھیج دیا۔"

(تاریخ ہندوستان جلد نہم از مولوی ذکاء اللہ ص۴۳)

اس کے بعد سیّد برادران قطب الملک عبداللہ خان (متوفی ۱۱۳۵ھ - ۱۷۲۲ء) اور امیر الامراء حسین علی خان (متوفی ۱۱۳۲ھ - ۱۷۲۰ء) کا دورِ وزارت آیا۔ ان دونوں بھائیوں نے اس قدر اقتدار اور غلبہ حاصل کیا کہ" بادشاہ گر" مشہور ہوئے۔ وہ ملکی سیاست پر ہر طرح چھاگئے۔ ان کے عقائد و نظریات خوب اشاعت پذیر ہوئے اور انہیں قبولِ عام حاصل ہوا۔ امیر الامراء حسین علی خان ہر مہینے کی گیارہ اور ۱۲ تاریخ کو مجلس منعقد کرتے تھے۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان لکھتے ہیں:

"احداث مجلس یازدہم و دوازدہم ہر ماہ در بلادِ عظیم کُن نمودہ کرتا حال (۱۱۶۰ھ) است"۔
(اثر الامراء جلد اوّل از صمصام الدولہ شاہنواز خان ص ۳۳۸ (کلکتہ ۱۸۹۰ء)

فرخ سیر کے دور میں خان دوراں خان بخشی کے بھائی خواجہ محمد جعفر ایک متصوف تھے۔ ان کے حالات میں تحریر ہے کہ ان کے گھر میں ائمہ طاہرین کی منقبت میں قوالیاں گائی جاتی تھیں۔ بعض مریدین و معتقدین سلام کے بجائے زمین بوس آداب کرتے تھے اور ائمہ اثنا عشر کی منقبت گاتے تھے۔ ملتان کے ایک واعظ شیخ عبداللہ دارالسلطنت دہلی پہنچے تو انہوں نے اس رجحان پر گرفت کی اور کہا کہ:

"سجدہ سوائے معبود برحق کے کسی کو سزاوار نہیں اور سرود کا سننا بھی شریعت کے طریقہ کے خلاف ہے۔ فقط حمد و منقبت اہل بیت کا سُننا اور اصحاب کبار کے اسم و ذکر کا نہ ہونا اسلام کے آئین اور طریقہ سے دُور ہے"۔

(تاریخ ہندوستان از شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ ص ۱۲۱)

زندۂ جاوید کو مردہ سمجھتے ہیں جو لوگ
سینہ کوبی کر رہے ہیں آج تک تجھ پر حسینؓ
تُو اَمر ہے تا قیامت مانتے ہی یہ نہیں
زندہ تر تر تُو ہے اب کچھ اور بھی مر کر حسینؓ

— خسروی —

پنڈ دادن خان (ضلع جہلم) میں ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور جناب مولانا قاری قیام الدین الحسینی (خطیب جامع مسجد سیدنا حضرت عثمان غنیؓ) سے حاصل کریں۔

راولپنڈی میں ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور درج ذیل پتہ سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے: جناب شارق مجید صاحب عثمانی
صدیقیہ مسجد مری حسن
نزد نعیم سروس سٹیشن، راولپنڈی

خط لکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ براہ کرم جواب طلب امور کے لیے

جوابی لفافہ

ضرور بھیجا کریں۔
نوازش ہوگی۔

(ادارہ)

شیطانک ورسز ۔ ردِّ عمل

مسٹر رشدی مذہب اور قانون دونوں کی روشنی میں مجرم ہے

حضرت مولانا علامہ محمد اقبال صاحب رنگونی
مدیر ماہنامہ الہلال مانچسٹر و جنرل سیکریٹری مرکزی جمعیت علماء برطانیہ

گذشتہ چند دنوں میں شیطانک ورسز اور اس کے بدبخت مصنف مسٹر سلمان رشدی کے خلاف مہم نے ایک نیا رُخ اختیار کرلیا ہے۔ اس کی وجہ خمینی کا وہ اعلان ہے جو اس نے مسٹر رشدی کے قتل سے متعلق جاری کردیا۔ برطانوی حکومت کے ساتھ یورپی ممالک نے اس اعلان کی شدید مذمت کرتے ہوئے اپنے سفرا واپس بلانے کا اعلان کیا جبکہ ایران نے بھی ان تمام ممالک سے اپنے نمائندے واپس بُلا لیے لیکن علامہ خمینی نے اپنا بیان واپس لینے سے انکار کرتے ہوئے انعام میں مزید اضافہ کردیا۔

خمینی کے اس اعلان پر برطانیہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سخت کشیدگی پائی جارہی ہے۔ برطانوی ذرائع ابلاغ اور اخبارات نے دل کھول کر اس موضوع کو سرِفہرست رکھا اور تبصرہ شروع کردیا۔ حکومت کے ساتھ ساتھ اخبارات نے بھی ایران کی اس دھمکی کو اپنے ملک میں مداخلت قرار دے کر برطانوی عوام میں ایک ذہنی انقلاب پیدا کردیا۔ بعض اخبارات نے اس موضوع کو اُچھال کر اہلِ اسلام کے خلاف مضامین اور تبصرے شائع کیے۔ تبصرہ نگاروں میں ان نام نہاد مسلمانوں کو سرِفہرست رکھا گیا جن کی فکریں آزاد اور جن کے خیال مغربی تہذیب سے آراستہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اندازِ بیان وہی بلکہ اس سے بدتر ہوگا جو کسی غیر مسلم مبصر کا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان نام نہاد مفکروں نے اس گستاخانہ ناول کو تحریری آرٹ قرار دے کر پُر زور حمایت کی اور اظہارِ رائے کی آزادی کے حق میں ووٹ دے کر کھُلے لفظوں میں اس ناول کی اشاعت کو اس کا

جائز حق بتلا دیا۔ بعض لوگوں نے ریڈیو انٹرویو کے درمیان اس بات کی وضاحت کی کہ اس اعلان کا تعلق صرف شیعیت کے ساتھ ہے اور پوری دنیا میں شیعہ مذہب صرف ۱۲ فی صدی ہے۔ سنی مسلمانوں کا اس اعلان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تائید ہے۔ کچھ دانشوروں نے مذہبی تشدد پسندی قرار دے کر خمینی کے اعلان کی مخالفت کے ساتھ علماء کرام اور مسلمانانِ برطانیہ کے مطالبہ پر کڑی نکتہ چینی کی۔ دریں اثنا فرانس میں کچھ روشن خیال عرب اور فرانسیسی ادیبوں نے سلمان رشدی اور اس کی گستاخانہ کتاب کے حق میں باقاعدہ مظاہرے بھی کیے۔ غرضیکہ جس طرف نظر اٹھائیے نئی باتیں نظر آئیں گی۔ ٹی وی اور اخباروں کے مبصروں نے مختلف لوگوں سے انٹرویو لیے اور اس کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں میں اس موضوع پر اتحاد نہیں بلکہ بلکہ تضاد بیانیاں ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی اجتماعیت میں رخنہ پڑ گیا اور معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔

برطانیہ کے بعض اخبارات خصوصاً نیشنل فرنٹ گروہ کو یہ سنہری موقع مل گیا۔ انہوں نے اس موضوع کو اس قدر حاشیہ آرائی کے ساتھ عام کیا کہ مقامی باشندوں کو مسلمانوں کی مخالفت پر اکسا دیا جائے اور مسلمانوں کو متشدد، تخریب کار، دہشت گرد، جنونی قرار دے کر نسلی منافرت اور کشیدگی کی فضا پیدا کر دی جائے۔ اس گمراہ کن پراپگینڈہ نے مقامی باشندوں کو حقیقت یہ ہے کہ بہت زیادہ متاثر کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے دفاتر اور مساجد اور دیگر تنظیموں کو فون اور خطوط کے ذریعے ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ مانچسٹر کے علاقے میں مسلمانوں کے گھروں میں گمنام خطوط ارسال کیے گئے جس میں رشدی کی مخالفت ترک کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ 'جیو اور جینے دو' کے اصول پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی اور دبے لفظوں میں دھمکی اور اخراج کا بھی تذکرہ کر دیا۔ بریڈ فورڈ کے اسلامی دفاتر پر حملے کی خبریں اور پھر ۲۲ فروری ۱۹۸۹ء کو لندن کی سب سے بڑی ریجینٹ پارک مسجد پر پٹرول بم کے ذریعہ حملہ اور دیگر دھمکی آمیز فون اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ برطانوی مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ سازشوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود برطانوی حکومت اور برطانوی عوام نے یہی تہیہ کر رکھا ہے کہ اہلِ اسلام کے مطالبہ کو مسترد کر دیا جائے۔ یورپی ممالک کے ارکان بھی اس کے حامی ہیں اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ برطانیہ ایک آزاد ملک ہے۔ یہاں آزادی تقریر و تحریر معاشرہ کا ایک

حصہ اور قانون ہے۔ اس پر کسی کی مداخلت یا پابندی قابلِ قبول نہیں۔ بس جسے دیکھئے آزادیٔ تحریر کے گیت گا رہا ہے لیکن کسی نے آج تک ٹھنڈے دل سے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ آخر اس کتاب میں وہ کون سی توہین و گستاخی ہے جس نے اہلِ اسلام کو مساجد اور گھروں سے سڑکوں پر لا کھڑا کر دیا ہے اور برطانیہ کے در و دیوار ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے اعلان سے گونج اٹھے ہیں۔ آخر کوئی بات تو ہے جس کی وجہ سے یہ اضطراب اور بے چینی پائی جا رہی ہے۔ افسوس کہ اس جانب کسی نے توجہ نہ کی۔

۱۔ ہم نے مانا کہ یہ ملک آزاد ہے۔ یہاں آزادیٔ تقریر و تحریر کی فضا ہے لیکن اس آزادی کا مطلب یہ تو نہیں کہ کسی کی ماں بہن پر کھلے عام تبرا کیا جائے، کسی کو گالی دی جائے، کسی کا گریبان پکڑا جائے۔ کسی کے مذہب پر اس طرح گندہ کیچڑ اچھالا جائے۔ کسی کے خلاف اس قسم کی بدگوئی و بدزبانی اور سب و شتم کا مظاہرہ کیا جائے۔ اگر اس کا نام آزادی ہے تو یہ لفظ آزادی کی سخت توہین ہے اس کا نام آزادی نہیں بلکہ سراسر ظلم و زیادتی ہے۔

۲۔ آزادیٔ تقریر و تحریر کا قانون اپنی جگہ مسلّم لیکن کسی کی توہین و گستاخی اور ہتک عزت جرم ہے یا نہیں؟ کیا اس کا کوئی قانون نہیں؟ کیا برطانیہ کی عدالتوں میں توہین عزت کے مقدمات نہیں آتے؟ کیا ہتک عزت کے خلاف جرمانہ عائد نہیں کیا جاتا؟ غور فرماویں۔ برطانیہ میں ایک نہیں ہزاروں مقدمات طے پا چکے ہیں جن میں عدالتوں نے ہتک عزت پر باقاعدہ سمن جاری کیے۔ جس کی توہین و گستاخی کی گئی اسے ہزاروں کی رقم دینے کا فیصلہ سنایا گیا اور اس آزادیٔ تقریر و تحریر والے کو قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا۔ ابھی آج کی تازہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیے:

> "فلم پروڈیوسر اور ڈائریکٹر مسٹر مچل ونر نے اخبارات کے خلاف ہرجانہ اور مقدمہ کا خرچہ لندن میں جیت لیا ہے۔ مسٹر مچل کے خلاف ایک سال قبل نیوز آف دی ورلڈ نے ایک گندہ مضمون شائع کیا تھا۔ مسٹر مچل نے ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر کے عدالت سے اس مقدمہ کو جیت لیا کیونکہ اخبارات نے ان کے خلاف غلط بیانی کی تھی۔
>
> (مانچسٹر ایوننگ نیوز ۲۳ فروری ۸۹ء)"

اسی طرح کرس کینیٹی نے اخبار "سن" اور "نیوز آف دی ورلڈ" کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ

کردیا جو بہ آسانی جیت لیا گیا کیونکہ کرس کے خلاف الزامات سارے غلط تھے۔ اخبارات کی کونسل نے معافی مانگنے کے ساتھ مقدمہ کا خرچہ اور ہرجانہ بھی ادا کیا۔ (دیکھئے "سن" ۲۱ فروری)
ملاحظہ فرمائیے اگر اس اخبار نویس کو آزادئ تحریر کی اجازت تھی تو پھر اس پر کیوں مقدمہ دائر کیا گیا عدالت نے کیوں جرمانہ دینے کا فیصلہ سُنایا۔ وجہ یہ ہے کہ آزادئ تحریر کا مطلب یہ نہیں کہ ہر کسی کی پگڑی اچھالی جائے اور ہر ایک کی بے عزّتی کرتا پھرے اور اگر کسی نے بلا ثبوت یہ حرکت کی تو قابلِ مواخذہ ہوگا۔ اس سے یہ معلوم کرنا آسان ہو گیا کہ اس ملک میں جہاں آزادئ تحریر و تقریر کی اجازت اور فضا ہے تو ساتھ ہی دوسرے کی توہین و گستاخی بھی قانوناً جُرم اور قابلِ مواخذہ ہے۔

اب اگر اس گستاخانہ ناول کے صرف ایک ہی رُخ پر اصرار کرتے رہنا کہ یہ ناول آزادئ تقریر و تحریر کے ضمن میں ہے اور دوسرے رُخ سے یکسر صرفِ نظر کر دینا انصاف کے نام پہ بے انصافی، آزادی کے نام پر بے عزّتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا اس کتاب میں توہین و گستاخی پر مشتمل کوئی عبارت نہیں؟ کیا سبّ و شتم کا برملا اظہار نہیں؟ پھر گستاخی بھی ایرے غیرے کی نہیں۔ ایک ایسی مقدس و محترم ہستی کی جس کی شرافت پر آسمان کے معصوم فرشتوں کو بھی ناز ہے۔ جس کی عفت و عصمت کا اعتراف اہلِ اسلام ہی نہیں، اعدائے اسلام بھی کر چکے ہیں جن کی پاکیزہ زندگی پر غیر مسلموں کی شہادتیں بھی موجود ہیں جن کے ماننے والے اور جنہیں اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب بلکہ کل کائنات کو ان پر قربان کر دینے والے ایک دو نہیں ارب ہا ارب کی تعداد میں پورے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر اہلِ اسلام نے اس انتہائی گستاخی و توہین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے برطانوی عدالتوں اور حکومت سے انصاف کا مطالبہ کیا تو آخر کون سا جُرم کیا؟ کیا گستاخی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا جُرم ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اہل اسلام کے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے پورا کرنا حکومت برطانیہ کی قانونی ذمّہ داری بھی ہے اور اخلاقی ذمّہ داری بھی۔

۳۔ اگر حکومتِ برطانیہ "آزادی تقریر و تحریر" پہ ہی اصرار کرتی رہے تو انہیں اس کا جواب دینا ہوگا کہ جب متحدہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے خلاف علماء کرام اور عوام نے تقریریں کیں، کتابیں لکھیں اور آزادی کے لیے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا تو آخر انہیں درختوں پر کیوں لٹکا دیا گیا؟ کیوں قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا؟ آزادئ تقریر و تحریر کے ان متوالوں نے انہیں آخر کس جُرم میں

سزا کے شکنجے میں کسا گیا؟ اس وقت بھی یہی قانون تھا تو پھر اس عنوان کا گلا کس لیے گھونٹ دیا گیا؟ اگر اس وقت اس آزادیٔ تقریر و تحریر کا گلا اس لیے گھونٹ دیا گیا تھا کہ اس سے برطانوی اقتدار کی توہین و گستاخی ہو رہی تھی تو پھر خدارا انصاف فرمائیے کہ اس توہین اور انتہائی گستاخی کو کس لیے آزادیٔ تقریر و تحریر کا عنوان دیا جا رہا ہے؟ کیا اسی کا نام انصاف ہے؟

عجیب بات ہے کہ جب مسئلہ اپنی ذات کا آجائے تو یہی آزادیٔ تقریر و تحریر جرم ہو جاتی ہے اور جب مسئلہ دوسرے فریق کا بن جائے پھر یہی عنوان انصاف قرار پاتا ہے۔ فیا للعجب

ہم ۔ بعض دانشوروں نے اس کتاب میں انتہائی گستاخانہ جملوں کا اعتراف تو ضرور کیا لیکن آزادیٔ تقریر و تحریر کا عنوان قرار دے کر پھر اسی لکیر کے فقیر بنے رہے۔ ہم ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس کتاب میں جتنے گستاخانہ جملے ہیں اگر وہاں سے ان ناموں کو ہٹا کر اس کی جگہ ملکہ برطانیہ، اس کا شوہر، اس کی صاحبزادی اس کی بہو اس کے عزیز و اقارب کے نام لکھ دیے جائیں۔ سٹی آف جاہلیہ لندن اور نیویارک کو قرار دے دیا جاتے۔ حرامی کا لفظ سر جیفری ہاؤ کے لیے لکھا جائے (وغیر ذلک) تو انصاف سے فرمائیے اس وقت آپ کا ردّ عمل کیا ہو گا؟ کیا آپ اس کتاب کو برداشت کریں گے؟ کیا اس وقت آپ کی غیرت اس بات کو گوارا کرے گی کہ اس کتاب کی عام اشاعت کی جائے۔ اس وقت آپ کا ردّ عمل کیا ہو گا؟ کیا آپ اس کتاب کو برداشت کریں گے؟ کیا اس وقت آپ کی غیرت اس بات کو گوارا کرے گی کہ اس کتاب کی عام اشاعت کی جائے۔ اس وقت اگر آپ پابندی لگانا چاہیں اور دوسرے لوگ اسے آزادیٔ تقریر و تحریر کا عنوان دے کر آپ کے خلاف محاذ بنالیں تو کیا آپ گوارا کرلیں گے۔ چلیے ملکہ نہ سہی وزیر اعظم نہ سہی آپ کے والدین کے بارے میں ہی یہ عنوان اختیار کرلیا جائے تو آپ کا ردّ عمل کیا ہو گا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر آپ میں ذرہ بھر بھی شرم و حیا ہو گی تو آپ اس کتاب کے خلاف سخت سے سخت اقدام کرنے سے گریز نہ کریں گے۔ اس لکھنے والے کو یا تو دماغی مریض قرار دے کر پاگل خانے بھیجنے اور اس کا معائنہ کرنے کی ہدایت کریں گے یا پھر اس گستاخ کو قانون کے شکنجے میں کس کر رکھ دیں گے کہ اس نے بلا ثبوت اس دریدہ ذہنی و گستاخی کا مظاہرہ کر کے ملکہ یا وزیر یا میرے والدین کو بدنام و بدکام تبلا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کا قانون نہیں

کہے گا کہ آزادی تقریر و تحریر کا مطلب ملکہ برطانیہ کو حرامی کہنا ہے۔ کسی محترم کو شیطان کے نام سے پکارنا ہے۔ بس اسی بات کو ہم سمجھانا چاہتے ہیں کہ آزادی تقریر و تحریر کا قانون اپنی جگہ مسلم لیکن جب کسی محترم و معظم کی اس انداز میں پگڑی اُچھالی جائے تو اس کا نام سراسر زیادتی و ظلم ہوگا اور یہ چیز قانوناً جرم سمجھی گئی ہے۔

۵۔ آزادی تقریر و تحریر کی فضا کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنا بھی تو ضروری ہے کہ جارح کون ہے؟ کس نے دوسرے پر حملہ کیا؟ کس نے کس کی عزت پر حملہ کیا؟ برطانوی قانون میں یہ شق بھی تو موجود ہے کہ جارح مجرم ہے اور اس کے خلاف ہر ممکن ذرائع و وسائل اختیار کرنا ان کا فریضہ ہے۔ مثال کے طور پر گذشتہ چند سالوں میں روس جیسی سپر طاقت نے افغانستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا، ظلم و ستم کے ذریعہ اپنا قبضہ جاری رکھا لیکن مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ نے اس جارحیت کے خلاف سخت قدم اُٹھایا جارح کو بُرا بھلا کہا بلکہ جارح کے خلاف قرار دادیں پاس کرنے میں پیش پیش رہے۔ یہی نہیں بلکہ برطانیہ نے ہزاروں پونڈ کی افغان مجاہدوں کی امداد کی، انہیں ہتھیاروں سے لیس کیا۔ انہیں تمام ذرائع وسائل مہیا کیے، ان کی بھرپور حمایت کی؟ آخر کیوں؟ اسی لیے کہ روس جارح تھا۔ اس نے کسی کا دل دکھایا تھا تو حکومت برطانیہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ لیکن جب یہی مسئلہ خود ان کے ملک میں پیش آتا ہے تو حیرت کی انتہا نہیں رہتی کہ جارح (مسٹر رشدی) کو نہ صرف حمایت کا یقین دلایا جاتا ہے بلکہ اس کے بچاؤ کے لیے ہر ممکن ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ روزانہ ہزاروں کا خرچ جارح پر برداشت کرنا اپنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یورپی ممالک کے ارکان کو جارح کی حمایت کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ روس تو جارح ٹھہرا کیونکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑی اور مسٹر رشدی جارح نہیں ٹھہرا اس لیے کہ ان کے مفادات اس سے وابستہ تھے۔ خیال فرمائیے جارح کے موضوع پر ذہنیت میں کتنا فرق واقع ہو رہا ہے۔

ہم یہی بتانا چاہتے ہیں کہ جارح کے خلاف آپ کا جو قانون ہے وہی قانون مسٹر رشدی پر لاگو ہونا چاہیے کیونکہ وہ جارح ہے۔ اس نے جارحیت کا مظاہرہ کیا ہے اور ہزاروں نہیں ملین مسلمانوں کے قلوب زخمی کیے ہیں۔ کیا یہ جارح کی فہرست میں نہیں آتا؟

ہماری ان ساری گذارشات کا حاصل یہ ہے کہ شیطانک ورسز اور اس کا بدبخت مصنف برطانوی

قانون کے اعتبار سے بھی مجرم ہے اور ہم قانون کی روشنی میں ہی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مجرم کو سخت سزا دی جائے اور قانون کو حرکت میں لایا جائے۔ یہی مطالبہ مسلمانانِ برطانیہ بار بار کر رہے ہیں جس کا پورا کرنا برطانوی حکومت کا قانونی فریضہ بھی ہے!

۶۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک دعویٰ ہے کہ برطانیہ ملحد اور کمیونسٹ ملک نہیں۔ انہیں اعتراف ہے کہ یہ ایک مذہبی (عیسائی) ملک ہے۔ یہاں کی ملکہ عیسائی فرقے کی ایک مذہبی راہنما بھی ہیں۔ اگر واقعتاً یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے تو پھر مذہبی اعتبار سے اس موضوع کا حل آسان ہے۔ اس کتاب میں اہلِ اسلام کے مذہب خصوصاً پیغمبرانِ اسلام کی سخت توہین و گستاخی کی گئی۔ انتہائی گندے الفاظ استعمال کیے گئے۔ اگر مذہبی نقطۂ نظر سے اس موضوع کو دیکھا جائے تو بھی بدبخت رشدی مجرم کی حیثیت سے سامنے آتا ہے لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس موضوع نے برطانوی دعویٰ کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ یہاں یہ بات صاف واضح ہے کہ اس ملک میں مذہب نام کی کوئی چیز نہیں۔ مذہب کی قدر و قیمت نہیں۔ ان میں الحاد بد مذہبی سرایت کر چکی ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس گستاخانہ ناول کو مذہب کے بجائے سیاست کی نذر کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ موضوع سیاسی نہ تھا۔ ایک خالص دینی، مذہبی معاملہ تھا۔ اگر مذہبی اعتبار سے موجودہ حکومت بغور جائزہ لے تو انہیں یقیناً اہلِ اسلام کا مطالبہ معقول نظر آئے گا لیکن حیف در حیف کہ اس خالص دینی موضوع کو سیاسی موضوع بنا کر اہلِ اسلام کو مجرم قرار دیا گیا اور مسلمانوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی کوشش کی گئی۔

۷۔ جہاں تک نفس مسئلہ قتل کا تعلق ہے شریعتِ اسلامیہ نے اصول بیان کرتے ہوئے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ قرآن کریم میں، احادیث پاک میں یہ مضامین صراحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی پیغمبر کی توہین اور سب و شتم کا ارتکاب کرے اس کی سزا قتل ہے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں مرتد پر اسلامی سزا نافذ کی گئی اور شاتمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حکم سنایا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ علامہ قاضی عیاضؒ نے "الشفاء" میں اور حضرت علامہ ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں پوری تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر کلام فرمایا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے ارتداد اور گستاخ رسول کے لیے ایک قانون بنایا ہے اور یہ قانون رہتی دنیا تک رہے گا۔ اس میں ترمیم یا تنسیخ کا دعویٰ

کرنا اسلام سے ہاتھ دھونا ہے۔ مسٹر رشدی نے اپنے آپ کو چونکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے پیش کر کے گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین ارتکاب کیا ہے اس لیے وہ اسلامی نقطۂ نظر سے مرتد اور اسی سزا کا مستحق ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حکم اور قانون صرف شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم ہی کا نہیں بلکہ بائبل نے بھی یہی سزا تجویز کر رکھی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں پیغمبر کی گستاخی کفر اور اس کی سزا قتل بیان کی گئی جبکہ بائبل نے قاضی اور کاہن کی گستاخی پر قتل کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ غور سے ملاحظہ فرمائیے:

"شریعت کی جو بات وہ تجھ کو سکھائیں اور جیسا فیصلہ تجھ کو بتائیں اسی کے مطابق کرنا اور جو کچھ فتویٰ وہ دیں اس سے دہنے یا بائیں نہ مڑنا اور اگر کوئی شخص گستاخی سے پیش آئے کہ اس کاہن کی بات جو خداوند تیرے خدا کے حضور خدمت کے لیے کھڑا رہتا ہے یا اس قاضی کا کہنا نہ سنے تو وہ شخص مار ڈالا جائے اور تو اسرائیل سے ایسی بُرائی کو دُور کر دینا اور سب لوگ سن کر ڈر جائیں گے اور پھر گستاخی سے پیش نہیں آئیں گے۔"

(استثناء باب ۱۷ ء ۱۱ تا ۱۳ ص ۱۸۳)

مطلب یہ ہے کہ تورات کے معلّم کی بات کا انکار اور ان کے فتوے سے انحراف کرنے والا گستاخ اور واجب القتل ہے اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا دُور کرنا ازحد ضروری قرار دیا گیا۔ مسلمانوں کو خونخوار اور ظالم قرار دینے والے ذرا اپنی کتاب مقدس کی طرف نظر کریں اور مذہبی حیثیت سے اس موضوع کو دیکھیں تو انہیں شریعتِ اسلامیہ پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا گیا کہ ان کے نزدیک مذہب کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں ہے۔

پیش نظر رہے کہ کتاب استثناء کے بارے میں یہودی اور عیسائی دونوں فریق کے علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ کتاب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف اور آپ کا بیان کردہ قانون ہے[1] جس

---

[1] یہ الگ موضوع ہے کہ تحقیقی دُنیا میں ان کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ ملاحظہ فرمائیے احقر کی تالیف "الجواب الصحیح لمن حرف کتاب الکلیم والمسیح"

طرح یہودیوں کو ان احکامات پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح عیسائی قوموں کو بھی اس کا ماننا لازم ہے۔
اب دیکھتے ہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔

۸۔ اگر آج کی یہ مغربی اور آزاد خیال قومیں یہی اعتراض کرتی پھرتی ہیں کہ اسلام کے قوانین بڑے سخت اور تشدد پر مبنی ہیں۔ خون خرابے کے احکام ان میں موجود ہیں۔ آزادی کے دشمن ہیں تو بعد ادب یہ گذارش کرنا چاہیں گے کہ دوسروں کی آنکھوں میں تنکا دکھانے والے اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نہیں دیکھتے۔ ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ بائبل نے جو سزائیں تجویز کی ہیں ان کو دیکھنے والے اسلامی قانون پر اعتراض کرنے کے لائق ہی نہیں۔ تفصیل میں جائے بغیر چند سزائیں درج ذیل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ غیر اللہ کی عبادت پر سزائے قتل (دیکھئے خروج باب ۲۲ ع۲۰ استثناء باب ۱۳ ع۶ تا ع۱۰)
۲۔ ماں باپ پر لعنت کرنے والے کے لیے سزائے قتل (دیکھئے خروج باب ۲۱ ع۱۵)
۳۔ نافرمان بیٹا قتل کا مستوجب (دیکھئے استثناء باب ۲۱ ع۱۸)
۴۔ اغواء کرنے والے کو قتل کر دو (دیکھئے خروج باب ۲۱ ع۱۵ استثناء باب ۲۴ ع۷)
۵۔ سوتیلی ماں بہو سے زنا کرنے والے قابل گردن زدنی (دیکھئے احبار باب ۲۰ ع۱۱)
۶۔ لوطی کی سزا قتل (دیکھئے احبار باب ۲۰ ع۱۳)
۷۔ بیوی اور ساس کو اکٹھا رکھنے والا (دیکھئے احبار باب ۲۰ ع۱۴)
۸۔ بہن کو بے شرم کرنے والا (دیکھئے احبار باب ۲۰ ع۱۷)
۹۔ زانی اور زانیہ قابلِ قتل (دیکھئے احبار باب ۲۰ ع۱۰ استثناء باب ۲۲ ع۲۲)
۱۰۔ جھوٹا نبی قتل کیا جائے (دیکھئے استثناء باب ۱۳ ع۲ باب ۱۸ ع۲۰)
۱۱۔ ایک موقع پر پہاڑ چھونے والا قتل کیا جائے (دیکھئے خروج باب ۱۹ ع۱۳)

غور فرمائیے بائبل کی سزائیں کن القاب کی مستحق ہیں؟ اسلامی قوانین کو وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دینے والے بائبل کی تجویز کردہ سزاؤں کو کس کھاتے میں ڈالیں گے۔

لہٰذا قانونِ خداوندی پر اعتراض سے قبل اس کے اصولوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ان اصولوں سے واقفیت نہ ہوگی مذہب کی قدر نہیں ہو سکتی۔ الحاد و بے دینی زندقہ و دہریت

عقائد سرایت کرتے جائیں گے - پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدائی قانون پر انسانی قوانین غالب آتے جائیں گے جو ہر روز ترمیم و تنسیخ کے محتاج اور نقصان پر مبنی ہوں گے۔

الغرض گذشتہ سطور سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ شیطانک ورسز اور اس کا بدبخت مصنف مسٹر رشدی مذہب اور قانون دونوں کی روشنی میں مجرم ہے اور مجرم کے ساتھ اس انداز میں پیش کرنا (جیسا کہ ہو رہا ہے) مجرم اور جرم دونوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جس کا انجام بالآخر افسوسناک ہی ہے ۔

حکومتِ برطانیہ سے گذارش ہے کہ اہلِ اسلام نے جس بات کا مطالبہ کیا ہے وہ عقلاً و نقلاً صحیح ہے ۔ہم نے پہلے پیار و محبت کے ساتھ اس موضوع کا حل مانگا مگر مسترد کر دیا گیا۔ احتجاجی جلسے اور مظاہروں سے حکومتِ برطانیہ کو اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔ اہلِ اسلام نے انفرادی و اجتماعی طور پر خطوط بھیجے لیکن ہر مرتبہ انکار کا جواب ملتا رہا اور یوں اہلِ اسلام کے زخموں پر مزید نمک پاشی کی گئی۔

لیکن ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ موضوع کوئی نیا نہیں۔ ماضی میں بھی ایسے بے شمار واقعات پیش آچکے ہیں اور دُنیا نے حق و صداقت کی فتح اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے ۔ اہلِ اسلام ہر نازک موڑ پر کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں ۔ انشاء اللہ اس مرتبہ بھی خدائی قوت و نصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ حق کا جھنڈا بالآخر اونچا ہوگا ۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ اعلانِ خداوندی ہے۔ یہیں دبانے کی کوشش نہ کی جائے ۔ کیوں کہ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

حقِ چار یارؓ

یہ تزئینِ مسجد یہ تنویرِ منبر — بڑا ان کا رتبہ ہے اللہ اکبر
یہ معراجِ ایماں کے ہیں چار زینے — یہ چاروں ہیں تاجِ شرف کے نگینے
مجلّٰی ہیں انوار سے ان کے سینے — سنوارا ہے ان کو جمالِ نبیؐ نے
یہ محبوبِ سرور یہ مقبولِ داور — ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

حضرت ابو عبیدہ رضؓ

سیاست میں وہ نقشِ اوّلیں ہیں
شجاعت میں یگانہ بالیقیں ہیں

سراپا میں اِدھر سالار ہیں وہ
اُدھر غزوات میں شامل کہیں ہیں

رہے صدقات کی کرتے وصولی
پیمبرؐ کی وہ امت کے امیں ہیں

ریاضت اور تقویٰ کے ہیں پیکر
عبادت میں بھی وہ روشن جبیں ہیں

قرآن کی محبت جزوِ دیں ہے
حضورِ پاکؐ کے وہ ہم نشیں ہیں

قمر حجازی (اوکاڑہ)

ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور

دینی، تبلیغی، اصلاحی ماہانہ پرچہ ہے
اس کی توسیع اشاعت میں بڑھ چڑھ
کر حصہ لیں۔ کارِ ثواب ہے۔

(ادارہ)

ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور کے بارے میں

ماہنامہ البدر کاکوری (لکھنؤ۔ بھارت) کا تبصرہ

تبصرہ نگار حضرت مولانا عبد العلی صاحب فاروقی مد ظلہ' ایم۔ اے کا مختصر تعارف یہ ہے کہ آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل، دار العلوم فاروقیہ کاکوری (لکھنؤ۔ بھارت) کے مہتمم، ماہنامہ البدر کاکوری کے مدیر شہیر ــــ اور سب سے اہم یہ کہ موصوف کا تعلق امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ کے خانوادہ سے ہے، حق تعالیٰ نے آپ کو لکھنے پڑھنے کا بہت ستھرا ذوق نصیب فرمایا ہے۔ آپ نے ماہنامہ البدر کاکوری کے صفحات پر ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور کے اجراء کا جن شاندار الفاظ میں خیر مقدم کیا ہے وہ ہمارے لیے حوصلہ افزاء ہونے کے علاوہ باعثِ فخر بھی ہے۔ ہم اس پر موصوف سے اظہار تشکر کرتے ہیں نیز یقین دلاتے ہیں کہ "حق چار یارؓ" کو ایک مثالی مجلّہ بنانے کی بھرپور کوششیں جاری رکھیں گے ان شاء اللہ العزیز

(شبیر احمد میواتی)

تحریک خدام اہلسنت پاکستان کے امیر اور پاکستان کے باوقار و صاحب تصانیف بزرگ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی سرپرستی میں یہ نیا رسالہ رجب ۱۴۰۹ھ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے اور اب تک کے اس کے شائع شدہ ۳ شمارے ہم کو تبصرہ کے لیے ملے ہیں۔

قاضی صاحب نے پہلے شمارہ کے "اداریہ" میں رسالہ کے مقصدِ اجراء کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قبل ازیں گو پاکستان میں علمی، دینی اور اصلاحی جرائد و رسائل اور ہفت روزے اور ماہنامے خاصی تعداد میں شائع ہو رہے ہیں جن کے علوم و معارف سے شائقین حضرات استفادہ کر رہے ہیں، تاہم ایک عرصے

ایک ایسے مجلّہ (رسالہ) کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو خصوصی طور پر رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ جماعت صحابہؓ کی شرعی عظمت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین رضؓ کی موعودہ خلافت راشدہ کے عقیدے کی تبلیغ اور نصرت کا اہم فریضہ سرانجام دے۔

ماہنامہ حق چار یارؓ" اسی عظیم دینی مقصد کے پیش نظر جاری کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمیں اس سلسلہ میں کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔

ہم رسالہ کے مقصدِ اجراء سے بنیادی طور پر اتفاق اور اس کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے ادارہ" البدر" اس کے سرپرست ضیغم اسلام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقی مدظلہ، تحریک مدح صحابہؓ کے خدام اور خانوادہ امام اہلسنتؒ کی طرف سے اس نئے رسالہ کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے ہوئے دعاگو ہیں کہ خدا کرے کہ قاضی صاحب کی سرپرستی میں یہ رسالہ دین حنیف کی بہترین خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے مقصدِ اجراء کو پورا کرے اور اس کا نفع نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اطراف عالم میں عام کرے۔ (آمین)۔ ان تین شماروں میں شائع ہونے والے کچھ اہم مضامین یہ ہیں۔

آیت معیت کی محققانہ تفسیر از قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، تفسیر آیت تمکین از امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنویؒ، آیت استخلاف کی تفسیر از حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، نجاتِ آخرت اور اتباع صحابہؓ از حضرت مجدد الف ثانیؒ، فضائل اصحابِ ثلثہؓ از حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ۔ ان چند عنوانات سے مضامین کی اہمیت اور رسالہ کے معیار کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اظہارِ تعزیت

حاجی ضیاءُ الدین کی والدہ کا انتقال

فیصل آباد کے مذہبی اور سماجی رہنما حاجی ضیاء الدین صاحب کی والدہ محترمہ ۲۹ اگست کو قضاء الٰہی سے انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ صحیح العقیدہ خدا ترس خاتون تھیں۔

صوبائی وزیر قاری سعید الرحمٰن، حاجی ملیح الرحمٰن درخواستی، مفتی ضیاء الحق، مولانا عبدالرشید انصاری، مولانا سید جاوید حسین شاہ، مولانا قاری محمد الیاس، قاری محمد یونس، جناب اقبال احمد صدیقی، مولانا فیض محمد نقشبندی، قاری افضال الحق، مولانا صابر سرہندی اور دیگر زعماء نے حاجی ضیاء الدین سے دلی رنج و غم کے ساتھ اظہار تعزیت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین۔

(رپورٹ: حافظ عبدالرحیم چاریاری فیصل آباد)

جناب محترم مولانا ڈاکٹر صاحبزادہ **محمد حسین صاحب انصاری للّٰہی** ایم۔اے پی ایچ۔ڈی

خلیفۂ راشد قطب الاقطاب حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ ——— للّٰہ شریف ضلع جہلم

یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس دُنیا میں روزِ اوّل سے حق و باطل کی کشمکش جاری ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ قادر ہیں۔ وہ چاہیں تو سب انسانوں کو راہِ حق و ہدایت پر چلا دیں لیکن حکمتِ الٰہیہ اس کی متقاضی ہے کہ یہاں کفر و اسلام کی کشمکش چلتی رہے۔ منجملہ دوسری حکمتوں کے اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کشمکش کے بغیر نہ تو بعض صفاتِ الٰہیہ کا ظہور ہو سکتا ہے نہ بعض بندوں کی آزمائش ہو سکتی ہے نہ اس کے بغیر بعض کے درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ اور حق کے علمبرداروں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ "واعدّوا لهم ما استطعتم" اپنی طاقت کے مطابق دشمنانِ حق کے مقابلے کے لیے سامان تیار رکھو۔ پھر یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ جنگ کے لیے مختلف قسم کے سامان اور مختلف محاذ ہوتے ہیں۔ کچھ پیدل فوج ہوتی ہے کچھ بحری اور ہوائی حملہ کرنے والی۔ کچھ لوگ ٹینک اور میزائل چلانے والے ہوتے ہیں۔ فوج کا ایک دستہ پیشقدمی کرتا ہے تو ایک حصہ مدافعانہ جنگ لڑتا ہے۔ غرضیکہ مختلف طریقوں سے مختلف محاذوں پر جنگ لڑی جاتی ہے۔ کفر و اسلام کی جنگ کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی مختلف محاذ ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے میدانِ جہاد میں تیر و تفنگ سے کفر کی اس جنگ پر فتح حاصل کی۔ بعد کے ادوار میں مفسرین نے قرآنی علوم کی شرح کر کے، محدثین نے حدیث نبویؐ کی چھان بین کر کے، فقہاء نے قرآن و سنت سے مسائل کا استنباط کر کے اور متکلمین اسلام نے علم کلام اور پُرزور دلائل سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کر کے اسے دُنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔ غرضیکہ ہر دَور میں حسبِ ضرورتِ زمانہ دین کی اشاعت اور دین کی طرف سے مدافعت کا کام کیا جاتا رہا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے کھلے اور چھپے، اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے بھی جنگ جاری رہی اور تاقیامت

جاری رہے گی۔ کفر اور اسلام، حق اور باطل قیامت تک یکجا نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں کافروں، منافقوں، مشرکوں سے کہہ دیا۔ لکم دینکم ولی دین۔ اس کے بعد کفر و شرک کے ساتھ کسی مفاہمت و مصالحت یا مداہنت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

جن لوگوں کی اسلام کی گذشتہ صدیوں کی تاریخ پر نظر ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اہل تشیع نے کس طرح ہر موقعہ پر اسلام اور مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔ ابن علقمی سے کون پڑھا لکھا واقف نہیں ہے جس کے منافقانہ کردار نے مسلمانوں کی متحدہ قوت کی علامت یعنی خلافتِ اسلامیہ کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ اب اس دور کے "ابن علقمی" تقیہ کی چادریں اوڑھ کر کس طرح اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے

ع تو خود حدیثِ مفصل بخواں ازیں مجمل

بہر حال اہلسنت اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے مدافعتِ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے اور اس کام سے کسی دور میں بھی غفلت اور چشم پوشی نہیں کی جا سکتی اور خوشی ہے کہ اس اہم محاذ کو اس دور میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی سنبھالے ہوئے ہیں۔ دراصل یہ کام ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے اور حضرت قاضی صاحب ہم سب کی طرف سے گویا کہ فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ان کو مزید ہمت و طاقت اور صحت اور عمر دراز عطا فرمائیں آمین۔

ماہنامہ "حق چار یارؓ" صوری و معنوی ہر لحاظ سے معیاری ہے اور دین کی ایک اہم اور وقیع خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں اور دین کا درد رکھنے والوں کو اس کی طرف دستِ تعاون بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس وقت میرے سامنے ماہ جون جولائی کا شمارہ ہے جس میں حضرت قاضی صاحب نے "موت الخمینی" کے عنوان سے ایک فکر انگیز مضمون تحریر فرمایا ہے اور اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر ہمارا اور ہمارے علماء کا ان منافقین کے ساتھ مصالحت و مداہنت کا یہی رویہ رہا جیسا کہ اس وقت ہے تو کچھ بعید نہیں کہ خدانخواستہ پاکستان بھی ایران کی طرح ایک روز شیعہ سٹیٹ بن جائے جس میں اس وقت نوّے پچانوے فیصد آبادی سُنّی حنفی مسلمانوں کی ہے۔

خمینی کی موت کے بارے میں اہل حکومت اور اہل سیاست کے جو بیانات اس مضمون میں نقل کیے گئے ہیں ان کے لیے تو کسی حد تک یہ عذر ہو سکتا ہے کہ بعض سرکردہ شخصیات کی موت پر اگرچہ وہ کافر و ملحد ہی کیوں نہ ہوں اہل حکومت سیاست کو بعض مبالغہ آمیز الفاظ یا دروغ مصلحت آمیز سے کام لینا پڑتا ہے لیکن علماء کے جو بیانات خمینی کے بارے میں اخبارات میں آئے ہیں اور اس مضمون میں نقل کیے گئے ہیں وہ بڑے حیران کن اور افسوسناک ہیں۔ بریلوی مکتبِ فکر

کے علماء ہوں یا دیوبندی! کیا ان کے اکابر، اساتذہ ومشائخ کے فیصلے اور فتاویٰ ان کے سامنے نہیں ہیں۔ بریلوی علماء نے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب نے شیعہ کے بارے میں جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھا ہے کیا ان علماء نے اسے نہیں دیکھا ہے اور دیوبندی علماء حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتویٰ سے کیا ناواقف ہیں۔ رہ گئے مشائخ وصوفیاء کرام وہ خواہ قادری ہوں یا چشتی، نقشبندی ہوں یا سہروردی انہوں نے سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین اور اس میں اہل تشیع کے بارے میں حضرتؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا۔ اس پر کیا غور نہیں کیا ہے۔

خمینی صاحب کے عقائد کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کی کتابیں ہر جگہ دستیاب ہیں۔ وہ خود اپنے شیعہ ہونے پر علی الاعلان فخر کرتے رہے اور ایران کے آئین میں لکھا ہوا موجود ہے کہ ایران کا سرکاری مذہب اثنا عشری جعفری ہے اور یہ دفعہ (۱۲) غیر متبدل ہے۔

اثنا عشری مذہب کیا ہے۔ اس کے بارے میں عوام کو تو شاید کچھ معلوم نہ ہو لیکن اہل علم اور علماء کرام کو تو سب کچھ معلوم ہے اور علماء ہی کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ عامۃ المسلمین کو ان خلافِ اسلام عقائد سے آگاہ کرتے رہیں تاکہ وہ اپنے دین وایمان کو برباد ہونے سے بچا سکیں۔ اہلِ حکومت ہوں یا سیاسی لیڈر، علماء ہوں یا عوام، جس شخص کو بھی اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کے چوروں اور ڈاکوؤں سے اور ان کے طریقۂ واردات سے پوری واقفیت پیدا کرے تاکہ ان کے چکر میں پھنس کر ایمان جیسی دولت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ متلاشیانِ حق وحقیقت کے لیے حضرت قاضی صاحب مدظلہٗ کا یہ ماہنامہ بڑی اچھی راہنمائی کرتا ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ جاری کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" ہر پڑھے لکھے آدمی کی رہبری کے لیے اور شیعہ مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بہت جامع اور مفید کتاب ہے۔ اس کتاب میں مولانا نعمانی مدظلہٗ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے بلکہ صرف یہ کیا ہے کہ شیعہ کی معتبر کتابوں کے طویل اور اہم اقتباسات اس میں جمع کر دیے ہیں گویا کہ اہل تشیع کے مذہب سے تقیہ کی چادر جو صدیوں سے اس پر پڑی ہوئی تھی، اُٹھا دی ہے اور شیعہ مذہب کی حقیقت کو دنیا کے سامنے بے نقاب کر دیا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے ایک سلیم الطبع اور منصف مزاج آدمی شیعہ مذہب کو سمجھ کر اور اس سے اپنا دامن بچا کر اپنے دین وایمان کی حفاظت کر سکتا ہے اور "ما انا علیہ واصحابی" کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا وآخرت میں کامیاب وسرخرو ہو سکتا ہے۔ علماء کرام کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں شیعہ مذہب کی بنیاد ہی صحابۂ کرامؓ کی تکفیر وتفسیق اور ان پاک ہستیوں پر تبرا بازی پر رکھی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، خلفائے ثلاثہ، عشرہ مبشرہ (باستثناء حضرت علیؓ) السابقون الاولون مہاجرین وانصار سب کو یہ لوگ کافر ومنافق و زندیق

بتاتے ہیں (جیساکہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے) قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں اور خود ساختہ ائمہ کو انبیاء کرامؑ سے افضل قرار دیتے ہیں جیساکہ خمینی نے اپنی کتاب "الحکومت الاسلامیہ" کے ص۵۲ پر لکھا ہے: "ان لائمتنا مقاما لایبلغه ملك مقرب ولا نبی مرسل" ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے جس کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی جس کی بعثت ہوئی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ "امام" ان کے نزدیک وہ معصوم ہستی ہے جس کی طاعت فرض ہے اور جس پر باطنی وحی آتی ہے اور حقیقت میں یہی نبی کی تعریف ہے۔ اس لیے ان کا مذہب ختم نبوت کے انکار کا مستلزم ہے۔" (قرۃ العینین ص۵) اور یہ بات بھی آپ حضرات کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اور قرآن کو اخذ کر کے پوری دیانت وامانت کے ساتھ امت تک پہنچانے والے صحابہ کرامؓ ہی ہیں۔ اگر بقول اہل تشیع صحابہ کرامؓ ہی (العیاذ باللہ) کافر و منافق اور مشکوک و مطعون ہیں تو پھر سارا دین اور قرآن و حدیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتبار اور مشکوک و مطعون ٹھہرتا ہے۔ جب شیعہ کے عقائد کے مطابق آپ کا سارا دین ہی مشکوک ٹھہرا (جس کے ساتھ آج آپ مصالحانہ رویہ اپنائے ہوئے ہیں) تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کس کے مقتدا ہیں اور آپ کے مقتدی کون لوگ ہیں۔ آپ لوگوں کو کس چیز کی تعلیم کی تعلیم دے رہے ہیں اور لوگ آپ سے کون سا علم حاصل کرتے ہیں۔ فافہم وتدبر

جناب محترم مولانا **عبدالرشید صاحب انصاری**

جامعہ اسلامیہ تنظیم اہلسنت ۲۹۔T۔S۔B۔11۔ نارتھ کراچی

ماہنامہ حق چاریارؓ لاہور کے ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کے مشترکہ شمارے میں قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کا جامع ادارتی مقالہ "موت الخمینی" پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بلاشبہ حضرت قاضی صاحب نے نہ صرف جمیع اکابر اہلسنت والجماعت کی جانب سے فریضۂ ملی ادا کیا ہے بلکہ حضور خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین راشدین المہدیین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے عشق اور یاری کا حق ادا کیا ہے۔ تحریر اگرچہ طویل ہے مگر موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں پر محیط ہونے کی بنا پر دیگر جرائد کے مطالعے سے قارئین کو بے نیاز کر رہی ہے۔

معاصرین کی آراء اور ذمہ دار زعماء کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کو علیٰ حالہٖ نقل کر کے کھرے کھرے تبصرے میں غیرت ملی بیدار کرنے کی جرأت کی گئی ہے۔ اظہار حق کا یہ انداز اور فتنہ ہائے جدیدہ و قدیمہ کے تعاقب کا یہ سلسلہ جاری رہا تو "حق چاریارؓ" تھوڑے ہی عرصے میں پوری سنی قوم کے مقدر کا ستارہ تابندہ بن جائیگا۔ محرم الحرام (۱۴۱۰ھ) کا شمارہ بھی موصول ہو گیا ہے۔ حضرت سرور صاحب میواتی مدظلہٗ کی ایمان افروز

نظمیں تو ہر اشاعت میں نظر نواز ہوتی ہیں مگر اس شمارے میں رأس الاتقیا حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم کا تازہ عارفانہ کلام بہ عنوان

ع میں تو اس قابل نہ تھا

پڑھ کر قلب و روح کو ایک نیا عرفان ملا اور یہ چند سطور سپردِ قرطاس ہوگئیں ——— ورنہ!

ع میں تو اس قابل نہ تھا

جناب محترم حافظ صاحب لدھیانوی فیصل آباد

"حق چار یارؓ" معنوی اور صوری لحاظ سے خوب صورت سے خوبصورت تر ہو رہا ہے۔ محبتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حسین مرقع ہے جس کو پڑھ کر دلوں میں ایمان و یقین کی شمع روشن ہو جاتی ہے۔ ان نفوس قدسیہ سے دلوں کو جلاء، روحوں کو تازگی نصیب ہوتی ہے۔ اس دورِ پرفتن میں یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ صحابہؓ کی محبت، ان کے کارناموں کی یاد، ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم سے وابستگی ہی روحِ ایمان ہے۔ اسی لیے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔" اگر ہمیں اس محبت کا ایک ذرہ بھی نصیب ہو جائے جو صحابہ کرامؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھی تو ہم فلاح و فوز کی منزل پر پہنچ جائیں۔

جناب محترم محمد اسلم رانا صاحب، ایڈیٹر ماہنامہ المذاہب لاہور

قائد اہلسنت وکیل صحابہؓ حضرت مولانا القاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم، بانی و امیر تحریک خدام اہلسنت پاکستان کی زیر نگرانی چھپنے والا ماہنامہ "حق چار یارؓ" ایک اسم بامسمّٰی جریدہ ہے جس کا مقدس مشن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں اغیار کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور بہتان تراشیوں کا ازالہ اور ان واجب الاحترام ہستیوں کی عظمت کو اجاگر کرنا ہے۔ پرچہ صوری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ ہماری دعا ہے کہ حضرت قاضی صاحب مدظلہ العالی کا اس خصوصی محاذ پر ڈٹ جانا حق تعالیٰ کے حضور منظور و مقبول ہو آمین۔

جناب محترم پروفیسر بشیر احمد صاحب بشر۔ بھکر

میں صحابہ کرامؓ کی محبت کے اظہار کے سلسلہ میں کسی مصلح[illegible]ی کا قائل بالکل نہیں ہوں۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر یارانِ رسولؐ سے اپنی سچی عقیدت کا اعلان کر دیتا ہوں اور اسی مسلک [illegible] پر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کا عقیدتمند ہوں۔ بہت عرصہ پہلے بھکر، کلورکوٹ وغیرہ میں آپ کے مواعظ حسنہ سننے کا اتفاق ہوا ہے اور اب آپ نے جو اچھے

مقدس مشن کو پھیلانے کے لیے ماہنامہ جریدہ "حق چاریار رض" لاہور کا اجراء فرمایا ہے بلاشبہ یہ ایک مستحسن اقدام ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کی مساعی میں برکت عطا فرمائیں آمین۔

جناب محترم سید احمد حسین صاحب زید (سابق مدیر ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور)
جنرل سیکرٹری ینگ جرنلسٹس ایسوسی ایشن (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ

فی الوقت جس طرح پوری کائنات میں دو طبقات باہم برسرپیکار ہیں اسی طرح صحافت بھی دو حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے۔ ایک حصہ وہ ہے جو "شیطانی امور" کی ترقی اور فروغ اور "شیطانی خصائل و عادات" کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے سرگرم ہے۔ اسے آپ شیطانی یا زرد صحافت کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ حصہ ہے جو اس وقت پوری دنیا پر غالب ہے اور بدی کے فروغ، پھیلاؤ اور تحفظ کے لیے ہمہ وقت مصروف ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جو حق بات کو علی الاعلان لکھنے، پھیلانے اور فروغ دینے کو ہی اپنی منزل سمجھتا ہے۔ یہ حصہ رحمانی صفات کا حامل ہے۔ خدائی نظام، خدائی احکامات، رسول خدا کے فرامین و اعمال اور خلافتِ راشدہ کے زریں کردار و دور کو فروغ دینے، پھیلانے اور تحفظ کرنے کو اپنے لیے ابدی نجات اور سرخروئی و کامیابی اور اپنا مقصود گردانتا ہے۔ آپ اس دنیا کے ہر شعبہ کو دیکھ لیں۔ فی الحقیقت صرف دو قومیں ہی نبرد آزما نظر آتی ہیں۔ "رحمانی صفات" کا حامل طبقہ باہمی انتشار، بے عملی، بے کرداری اور ہوسِ زر کا شکار ہو کر اس وقت ابتلاء و آزمائش سے گزر رہا ہے۔ خالق کائنات اس بے عملی اور باہمی سر پھٹول کے باوجود اس طبقہ یعنی رحمانی طبقہ کو سنبھلنے اور اپنے اصل مقصود کی طرف پلٹنے کا موقع دے رہا ہے۔ اس وقت "رحمانی طبقہ" اس منزل پر کھڑا ہے کہ اگر سنبھل گیا تو پھر کائنات کو شیطانی شکنجے سے نجات دلا کر ہی رہے گا اور اگر پھسلا تو پھر خود انہی کا ساتھی بن کر رہ جائے گا۔ اس صورت میں خدا نئے افراد لا کھڑا کرے گا کیونکہ روحانی طبقہ لافانی ہے۔ وہ افراد کا محتاج نہیں۔ افراد اس کے محتاج ہیں۔ صحافتی سطح پر رحمانی طبقہ کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے ماہنامہ "حق چاریار رض" لاہور کا اجراء خوش آئند ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خداوند عزوجل کو اس کائنات کی حالت پر رحم آگیا ہے اور اس نے رحمانی طبقہ کو استحکام بخشنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ایک عرصہ کے بعد ہی رحمانی صحافت میں ایک مؤثر ہمنوا کا اضافہ ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ "حق چاریار رض" امتِ مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ اور نظام خلافتِ راشدہ رض کے احیاء کا باعث بنے گا۔

مجلہ میں عقائد کی اصلاح، نظام خلافتِ راشدہ رض کی حفاظت، صحابہ کرام رض کے فضائل و مناقب اور منظومات کا سلسلہ خوب ہے مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جو نئے نئے مسائل جنم لے رہے ہیں، امتِ مصطفوی ص جس طرح غیروں کے شکنجے میں جکڑتی جا رہی ہے اور خونِ مسلم کی جس طرح ارزانی ہو رہی ہے ان پر بھی توجہ دی جائے۔ اس وقت فلسطین، افغانستان، بلغاریہ، برطانیہ، کشمیر، برما، قبرص، لبنان، بھارت، روس، ایران اور دیگر ممالک میں مسلمانوں

کی جو حالت ہے اس پر مضامین شائع کیے جانے چاہییں تاکہ لوگ حالات حاضرہ سے آگاہ ہو سکیں۔ پھر اندرون پاکستان سیاستدانوں کی منافقتوں بالخصوص "دین فروش سیاسی راہنماؤں" کے اصلی چہرے کو بے نقاب کرنے کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہی چند گزارشات کے ساتھ ہی اجازت۔

جناب محترم قمر صاحب حجازی اوکاڑہ

ماہنامہ "حق چار یارؓ" کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کا فکر انگیز اور مفصل اداریہ (موت الخمینی) سنی مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ امام خمینی کا وصیت نامہ میری نظروں سے بھی گزرا ہے۔ اس میں جس طرح سعودی حکمرانوں سے نفرت کا اظہار کیا گیا ہے وہ شیعہ سنی بھائی بھائی کا نعرہ لگانے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔

جناب محترم صاحبزادہ حافظ حقانی میاں صاحب قادری

ریسرچ اسکالر (شعبہ ریسرچ اینڈ لائبریری) ہمدرد یونیورسٹی لائبریری کراچی

آج صبح اپنے ادارے کے "جرائد کے شعبے" میں گیا تو "شعبہ" کے منتظم جناب ترمیف چغتائی (علیگ) نے جو خود بھی علمی ادبی شخصیت ہیں، بتایا کہ چند نئے جرائد آئے ہیں، دیکھ لیجیے۔ سب کو جستہ جستہ دیکھا۔ لیکن جونہی "حق چار یارؓ" پر نظر پڑی تو بے اختیار زبان سے سبحان اللہ نکلا۔ بغور مطالعہ کیا تو ظاہری و باطنی ہر لحاظ سے مکمل جریدہ پایا نیز کتابت و طباعت انتہائی معیاری، مضامین تحقیقی اور احناف کے مسلک کے عین مطابق افراط و تفریط سے پاک۔ یہی خوبیاں کسی جریدہ کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ رسالہ "حق چار یارؓ" حضرت قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

جناب محترم مولانا دوست محمد صاحب مزاری متعلم (درجہ تخصص) دارالعلوم کراچی ۱۴

رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے رشتہ داروں کے ہاں اسلام آباد جانا ہوا اور وہاں سے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد) کی زیارت کے لیے آپ کی قیام گاہ پر پہنچا۔ آپ کے یہاں پہلی مرتبہ "ماہنامہ حق چار یارؓ" دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رسالہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ وہیں بیٹھ کر مطالعہ کیا تو دل سے بے ساختہ دعائیہ کلمات نکلنے لگے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے ــــ میرے پاس الفاظ نہیں کہ جس سے حق چار یارؓ کی کما حقہٗ تعریف کر سکوں۔ بلاشبہ میں نے پرچہ کو انمول جواہر پاروں سے لبریز پایا ہے۔ تمام مضامین و مقالاجات نیز منظومات قابلِ دید ہی نہیں قابلِ داد بھی ہیں۔ رسالہ کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کے سرپرست ممتاز عالم دین مایہ ناز محقق (حضرت قاضی صاحب مدظلہ) ہیں کہ جن کے علم و فضل پر دنیا نے سنیت ناز کرتی ہے ــــ

مختصر یہ "حق چار یارؓ" سُنی مسلمانوں کا صحیح ترجمان اور نظام خلافتِ راشدہ کا داعی ہے۔ اس کے اجراء پر میری طرف سے دلی مبارک قبول فرمائیں۔

جناب محترم قاری غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی ۔ کلو ر کوٹ (بھکر)

رسالہ "حق چار یارؓ" کے مطالعہ سے مستفید ہُوا۔ ماشاء اللہ، اس دورِ شر و فتن میں مسلک اہلسنت کی صحیح صحیح ترجمانی بلاخوف و تردد یہ رسالہ کر رہا ہے۔ دُعا ہے کہ خداوند قدوس اس جریدہ کو اور اس کے سرپرست سیدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کو ہر قسم آفات سے عافیت میں رکھیں اور آپ (مدظلہ) کا سایہ تادیر قائم فرما کر سُنی قوم کو زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

جناب محترم ماسٹر غلام محمد صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ چادلی (ضلع چکوال)

مجھے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کو "دیکھنے، سننے" کی سعادتِ حسنہ اس وقت نصیب ہوئی جب آپ جمعیتہ علمائے اسلام میں شامل تھے اور پاکستان بھر میں جمعیتہ کے ترجمان خیال کیے جاتے تھے۔ یاد رہے کہ میں ان دنوں ڈگری کالج چکوال میں الیف۔ اے سال اوّل کا طالب علم تھا اور یہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے ——— اور جب آپ نے جمعیتہ کو خیرباد کہہ کر تحریک خدام اہلسنت و جماعت پاکستان کی بنیاد رکھی تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت قاضی صاحب نے جمعیت سے علیحدگی اختیار کر کے اور ایک سُنی جماعت بنا کر علماء حق کی متحدہ قوت کو نقصان پہنچایا ہے ۔ لیکن آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت قاضی صاحب نے یہ جماعت از خود نہیں بنائی بلکہ حق تعالیٰ نے آپ کے قلب پاک پر القاء فرمایا ہے کیونکہ اس دَور میں ناموسِ صحابہؓ کے تحفظ اور مسلک اہلسنت کی حقانیت کو اجاگر کرنے کے لیے "تحریک خدام اہلسنت" ایسی جماعت کا قیام از حد ضروری تھا۔ سو حضرت نے جماعت بنائی اور اس کے پلیٹ فارم سے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ محتاجِ تعارف نہیں ۔ اور اب جو آپ نے ضعیف العمری میں کمر ہمت باندھ کر ماہنامہ "حق چار یارؓ" لاہور کے خوبصورت عنوان سے یک ماہانہ جریدے کا اجرا کیا ہے وہ نہایت ہی اچھا اقدام ہے ۔ میدانِ صحافت میں قدم رکھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ اس سے تحریک کا مشن ملک گیر سے ——— عالمگیر سطح پر روشناس ہو گا۔ دعا گو ہوں اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کا حامی و ناصر ہو آمین ۔

جناب محترم سراج الدین صاحب لطامانی ۔ ٹھری ضلع بدین سندھ

احقر شروع سے ہی سُنی مجلہ ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور کا قاری ہے اور اس کا ہر ماہ شدید انتظار رہتا ہے ۔ ملنے کے بعد بالاستیعاب بنفسِ نفیس سے سارے رسالے کا مطالعہ کرتا ہوں، ماشاء اللہ بہت ہی بامقصد، دیدہ زیب اور معیاری پرچہ ہے اور اس کا معیار دن بدن بہتر سے بہتر ہو رہا ہے ۔ آپ حضرات "حق چار یارؓ" کے ذریعہ سے جس طرح اصحابؓ رسول ﷺ کی عزت و ناموس کا دفاع کر رہے ہیں وہ بہت خوب ہے ۔ دعا ہے کہ مالک کائنات "حق چار یارؓ" کو قائم دائم رہنے کے وسائل پیدا فرماتے رہیں آمین۔

اللہ اللہ مصطفیٰؐ کے چار یارؓ

اللہ اللہ! مصطفیٰؐ کے چار یارؓ
باغِ دیں کے پاسباں و آبیار

تھے بہم یک جان و دل شیر و شکر
زیست کو تھا اُسوۂ حضرتؐ مدار

انؓ کے نظم و ضبطِ عالم سے رہا
خانہ خانہ جنت الازہار دار

ملت ان کے عہد میں قائم رہی
بر طریقِ سیدِ عالیؐ تبار

ہمتیں رکھتے تھے مانندِ جبال
اجتہادِ زیست کے یہ شہسوارؓ

لعنت ان پر اس میں جو چاہیں شگاف
ہے جو دینِ پاک کا محکم حصار

کر گئے عالم کو از بس فیضیاب
چار یارانِؓ نبیؐ کے شاہکار

اللہ اللہ! انؓ کی شفقت بالعباد
تھے حزینانِ جہاں کے غمگسار

پیروی میں انؓ کی ہوتا ہے حصول
آدمی کو آدمیت کا وقار

غیر انؓ کی پیروی کے زینہار
ہے نہیں ممکن تمدن کا نکھار

بس کہ اے بیچینؔ! انؓ کا اتباع!
ہم کو لازم ہے سدا لیل و نہار!

بے چینؔ رجپوری (بدایونی)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۵۸ ماہنامہ حق چار یار لاہور فون نمبر